ماہنامہ
دلیل راہ
نومبر 2007ء بمطابق شوال المکرم 1428ھ
سورہ زلزال کا پر جمال تفسیری عکس

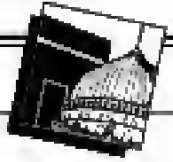

حمدِ باری تعالیٰ

جہاں بزمِ خرد میں منتہائے جستجو تُو ہے
خمستاں میں وہیں مقصودِ سوزِ آرزو تُو ہے

نسیمِ صبح ہے نکہت بداماں فیض سے تیرے
چمن افروز اے جانِ بہارِ رنگ و بُو تُو ہے

ضیا کون و مکاں میں مہرِ عالمتاب ہے تیری
تجلی ریزِ بزمِ زندگی میں چار سُو تُو ہے

جہانِ عشق کی آبادیاں تیرے ہی دم سے ہیں
نوا بلبل میں ہے تیری رگِ گل میں لہو تُو ہے

فروغِ بزمِ امکاں ہے ترے نورِ تجلی سے
اس آئینہ میں جلوہ ریز گویا ہو بہو تُو ہے

تیری رنگینیاں قیدِ بیاں میں آ نہیں سکتیں
زبانِ گل سے لیکن یہ سنا ہے سرخرو تُو ہے

خرد کہتی ہے روپوش ہے تو لاکھ پردوں میں
مگر میری نظر میں جلوہ فرما چار سُو تُو ہے

ترے ہی فیض سے آباد ہے مے خانۂ ہستی
مئے خوش رنگ تُو، پیرِ مغاں تُو، اور سبو تُو ہے

صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریف

نعت شریف

تیری نوائے شوق سے وجد میں ہے حریمِ ذات
تیری نظر کے کیف سے مست ہے محفلِ ثبات

دونوں جہاں پہ ہے محیط تیری ہی رحمتِ تمام
تیرے کرم کے سامنے تنگ ہے دامنِ حیات

تیرا عروج باعثِ رونقِ عالمِ وجود
تیرا نزول علتِ حسنِ جہانِ ممکنات

کرکے عطا بدستِ خاص ساغرِ بادۂ الست
کر دیا تُو نے معتدل کیفِ مزاجِ کائنات

مٹ گئے تیرے فیض سے رنگ و نسب کے تفرقے
دونوں جہاں ہیں ایک سے بہرہ ور نوازشات

تیرے جمال کی قسم رقص کرے گا حشر تک
تیری نوائے شوق کی دُھن پہ ضمیرِ کائنات

تیرے لئے سحر کو ہے مہر کا تحفۂ سلام
شام کو تیرے واسطے ماہ کا ہدیۂ صلوٰت

کون کرے گا ترے سوا چارۂ دردِ عاشقی
کون سنے گا ترے بغیر میرے جنوں کی واردات

مرہمِ زخم ہے کسی خندۂ زیرِ لب ترا
چارۂ دردِ عاشقی تیری نگاہِ التفات

تیرے ہی نام سے ہوا نسخۂ زندگی شروع
تیرے ہی ذکر پر ہوا ختم صحیفۂ حیات

رونقِ محفلِ شہود تیرے وجود کے طفیل
حسنِ جہانِ رنگ و بُو تیرے جمال کی زکوٰت

پیرِ مغاں کے فیض سے مستِ مئے الست ہوں
تنگ ہے مرے واسطے کیفِ سرابِ ممکنات

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارا کو مار کر سکندر نے کیا لیا

جنرل پرویز مشرف، سپریم کورٹ، حکومت، فوج اور عقدہ کشا کے نفوس ناطقہ سب ہی کو پرویز مشرف کے دوبارہ بلکہ سہ بارہ صدر بننے پر مبارک باد۔ کشت دل میں عرصہ ہوا تحفے دینے کے لیے پھول کھلنا بند ہو گئے ہیں اس لیے ادب عالیہ سے ایک حکایت بطور ہدیہ قبول ہو۔

ایک زرہ کا مقدمہ قاضی شریح کی عدالت میں پیش ہوا۔ طلبِ حصومت امیر المومنین کی طرف سے تھی۔ امیر المومنین عدالت میں حاضر ہوئے، قاضی نے گواہ طلب کیے، امیر المومنین گواہ پیش نہ کر سکے۔ زرہ جس عیسائی سے برآمد ہوئی تھی اُس سے جب پوچھا گیا ''زرہ'' کس کی ہے اُس نے بیان دیا ''زرہ میری ہے لیکن سچے امیر المومنین ہیں''۔ گواہ نہ ہونے کی وجہ سے مقدمہ کا فیصلہ امیر سلطنت کے خلاف ہوا جسے امیر نے تسلیم کیا۔ عیسائی جب عدالت سے نکلا تو اُس کے قدم آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے ہٹنے لگے اور وہ دستِ امیر پر بیعت ہو کر مسلمان ہو گیا اور تاریخی جملے اس کی زبان سے نکلے:

میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ فیصلے
رسولوں کے فیصلے ہیں ــــــ ایک امیر المومنین
مجھے اپنے قاضی کی عدالت میں لاتا ہے
اور فیصلہ امیر کے خلاف ہوتا ہے ــــــ''
میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں
اور محمد ﷺ اُس کے بندے اور رسول ہیں ــــــ
امیر المومنین! یہ زرہ آپ کی ہے
راستے میں ایک اونٹ سے میں نے اسے چرایا ہے ــــــ''

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ سن کر فرمایا:

''چونکہ تم مسلمان ہو گئے ہو اس لیے یہ زرہ اب تمہاری ہے.....''

یہ ایک واقعہ ہے کیا عدالتوں میں بیٹھنے والے ــــــ حکومتوں کے قلم دان سنبھالنے والے اور اقتدار کی ڈور کو مخفی طریقے سے تحریک دینے والے اسے آئینہ نہیں بنا سکتے آج پوری پاکستانی قوم کا سر شرمندگی سے جھکا ہوا ہے ــــــ اسلام آباد اعلیٰ روایات کا امین ہونے کی بجائے کسی اور راہ چل نکلا ہے۔

ہارون رشید بیمار ہوا تو شہر طوس میں آ کر ٹھہرا۔ محل میں ایک جگہ پسند کی اس جگہ میری قبر ہو، کہتے ہیں یہ وصیت بھی کی کہ مجھے امام رضا کے قدموں میں دفنایا جائے۔ جب قبر کھد گئی، حافظ عالم بلائے گئے اور حکم ہوا کہ قبر میں اتر کر ختم قرآن کیے جائیں۔ قبر آخرت کی پہلی منزل ہے جب خلیفہ کو یقین ہو گیا کہ اب آخری وقت آ پہنچا کہنے لگا:

اے لوگو! گواہ رہنا میں اللہ کو مانتا ہوں

اور رسول ﷺ پر میرا

یقین ہے یقیناً میں ایک گناہ گار شخص ہوں

میری زندگی انتہائی خراب ہے

میں نیکیوں سے دور رہا

تاج و تخت اور اقتدار نے میرا کیا حال بنایا۔

کوشش کی میرے غم دور ہوں لیکن افسوس پھر افسوس

میں کچھ نہ کر سکا

میرے غم بڑھتے گئے

دنیا یہ سمجھتی رہے زندگی میں نے پھولوں کی سیج پر گذاری

لیکن مجھے معلوم ہے میرا کیا حال ہے۔

حکومت کی لعنت نے مجھے اللہ کے احکام سے غافل رکھا

اب سوچتا ہوں تو سوائے ندامت کے کچھ نہیں سوجھتی،

شرمندگی ایسی ہے کہ یہ بھی نہیں کہہ سکتا "اللہ معاف کر دے"

میری غفلتوں سے درگذر فرما،

زندگی بے فکری سے نہ گزار سکا

اب میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں

موت میرے سامنے منہ کھولے کھڑی ہے

یہ قبر جو تم دیکھ رہے ہو مجھے کھا جائے گی، میرا جسم مٹی میں مل جائے گا

افسوس صد افسوس ہم بھول گئے تھے کہ

دنیا آنی جانی ہے، نجانے انسانوں کو کیا ہوا

کہ وہ منزل کو فراموش کر دیتے ہیں۔

صحت، عمر اور فراغت ہو

تو بس قبر کا کوئی سوچتا ہی نہیں

اسے خیال ہی نہیں آتا اُس کا کیا حشر ہونے والا ہے۔"

دنیا میں نام اُسی کا باقی رہتا ہے جو اللہ سے ڈرتا ہے اور اقتدار کو امانت سمجھتا ہے حقیقت میں نیکی اور وفا ہی نہ مٹنے والی خصلتیں ہیں۔ اقتدار کو بطور امانت ابوبکر و عمر اور عثمان و علی ہی نے استعمال کیا، وہی مینارِ نور ہیں، علی کی تو بات ہی کیا انہیں سرِ حکمت و حکومت کہا جا سکتا ہے۔

فرماں روا کے لیے ضروری ہے کہ وہ سلطنت کے آئین کی پاسداری کرے اور عدل کو نہ مٹنے دے۔ آئین کی عدم رعایت اور امانت و عدل کا ملیامیٹ کرنا سلطنت کو ہلا کر رکھ دیتا ہے بلکہ اللہ اقتدار کو چھین لیتا ہے۔

بادشاہ اپنے اُوپر حکومت نہیں کرتا بلکہ دوسروں پر حکومت کرتا ہے اس لیے اسے دوسروں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہیے، من مانی کرنے والے فرعون، شداد، ہلاکو اور چنگیز کا مقدر رسوائی ہے اس لیے ان راہوں سے بچنا ہی دانائی ہے۔

محترم صدر صاحب! سمجھنے کے لیے چند لفظ ہی کافی ہیں۔ اگر آپ سوچیں اور انصاف سے فیصلہ فرمائیں تو سماج کا کوئی طبقہ آپ سے مطمئن نہیں، معاشرت کھوکھلی ہو چکی ہے، ملک میں کردار سوز ہوائیں چل رہی ہیں، بھوک اور افلاس نے سکون اور راحت کو چاٹ لیا ہے۔

مذہب حکمرانوں کے ہاتھ میں بازیچہ اطفال بنا دیا گیا، فرقہ واریت خود حکومت کے پیٹ سے اُبل اُبل کر نکل رہی ہے، آپ کے سائے میں ملک کے تین صوبوں کے وزرائے اعلیٰ خاص خاص مسلکوں کو نواز رہے ہیں۔ ہم سوائے فریاد اور استغاثہ کے اور کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ ہمارا استغاثہ آپ سے نہیں مالک حقیقی سے ہے بس آپ کو نصیحت ہی ہے

''کرسی باقی نہیں فانی ہے
وسعت مآب کرسی صرف
رب ذوالجلال کی ہے۔''

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ

''اللہ، اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہ زندہ آپ قائم اور دوسروں کو قائم کرنے والا نہ اُسے اُونگھ آئے اور نہ نیند، اُسی کے لیے ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے کون ہے جو اُس کے حضور شفاعت کر سکے اس سے مستثنیٰ ہے وہ جس کو شفاعت کی وہ خود ہی اجازت بخشے جانتا ہے جو کچھ ان سے پہلے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے، اُس کے علم میں سے وہ ذرہ بھر حاصل نہیں کر سکتے مگر جتنا وہ خود ہی چاہے سارے آسمان اور زمین اُس کی کرسی میں سمائے ہیں اور ان کی حفاظت اُس کو تھکاتی نہیں ہے اور وہ بلندی نواز بڑی عظمت والا ہے۔''

کہتے ہیں جب سکندر مرنے لگا تو وصیت کی میرے دونوں ہاتھ کفن سے باہر رکھیں تا کہ لوگ جان لیں میں خالی ہاتھ جا رہا ہوں۔

"دارا کو مار کر سکندر نے کیا لیا؟"

مارنے، ٹھکانے لگانے کی سیاست اچھی نہیں _____ وائے ظلمت

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر قائم و دائم فرمائے۔

سید ریاض حسین شاہ

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۝ بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَّصْدُرُ النَّاسُ اَشْتَاتًا ۝ لِّيُرَوْا اَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝

جب زمین ہلا کر رکھ دی جائے گی جیسا کہ ہلانا اس کے لیے مقرر ہے (۱) اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال پھینکے گی (۲) اس حال میں انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا (۳) اس دن زمین اپنی خبریں خود بیان کرنے لگے گی (۴) کیوں کہ آپ کے رب نے اس کے لئے یہ بات وحی کے ذریعہ بتا دی ہے (۵) اس دن لوگ مختلف حالتوں میں قبروں سے نکل پڑیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں (۶) پس جو شخص وزن میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کی اچھی جزا پائے گا (۷) اور جو وزن میں ذرہ بھر بھی برائی کرے گا تو وہ بھی اُسے دیکھ لے گا (۸)

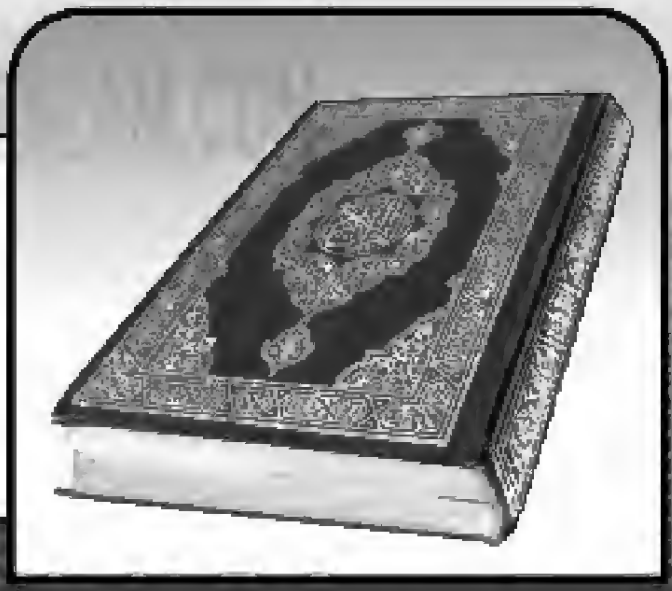

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرہ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورۃ الزلزال کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

ایک رکوع اور آٹھ آیتوں پر مشتمل "سورۃ زلزال" ابن عباس، عطا اور مجاہد کے نزدیک مکی ہے البتہ مقاتل اور قتادہ اسے مدنی بتایا کرتے تھے۔ اکابر مفسرین نے اسے مدنی ہی تسلیم کیا ہے یہ الگ بات ہے کہ سورت کے اندر کے شواہد اس کے برعکس ہیں۔

ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی اللہ نے جو علم آپ کو دیا ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی عنایت فرمایئے۔ حضور ﷺ نے اسے اپنے اصحاب میں سے ایک کے سپرد کیا اور امر فرمایا اسے قرآن کی تعلیم دیجئے۔ انہوں نے اسے سورہ زلزال کی تعلیم دی۔ وہ شخص خوشی سے جھوم اٹھا اور کہنے لگا "میرے لیے یہی کافی ہے" حضور ﷺ نے فرمایا اسے اس کے حال پر چھوڑ دو یہ مرد فقیہہ بن کر لوٹا ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں ایک شخص رسول رحمت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی مجھے پڑھایئے آپ نے ارشاد فرمایا "الٓر" والی تین سورتیں پڑھ لو، وہ عرض کرنے لگا میں بوڑھا ہو گیا ہوں، حافظہ کمزور اور زبان بے صلاحیت ہو گئی ہے، آپ نے ارشاد فرمایا اچھا تو "حٰمٓ" والی سورتیں پڑھ لو۔ اُس نے عرض کی حافظے کی کمزوری اور بڑھاپے کی بنا پر معذور ہوں آپ نے فرمایا "یسبح" والی تین سورتیں پڑھ لو اُس شخص نے اپنا عذر دہرایا اور عرض کی یارسول اللہ! مجھے کسی جامع سورت کا درس ارشاد فرمایئے اس پر حضور ﷺ نے سورہ زلزال پڑھائی جب وہ پڑھ چکا تو قسم کھا کر کہنے لگا میں اس میں ہرگز کسی چیز کا اضافہ نہیں کروں گا وہ جانے لگا تو حضور ﷺ فرمانے لگے یہ شخص کامیاب ہو گیا اور اس نے نجات پائی۔

سورت میں تین محور ہیں جن کے گرد اگرد مضامین گھومتے ہیں۔ قیامت کی بعض نشانیوں کا موثر پیرائے میں بیان، وقوع قیامت کے موقع پر انسان پر طاری بے بسی کی کیفیت اور زمین کے احوال طبعی اور احوال روحانی کا سبق آفرین اظہار اور اعمال کی بنیاد پر لوگوں کی تقسیم، نیکو کار اور بدکار طبعی نتائج کے اعتبار سے دونوں کی جزا اور سزا۔

سورہ زلزال کا مطالعہ کر کے قاری قرآن پوری طرح محسوس کر لیتا ہے کہ پورے کا پورا کرۂ ارض اس کے اعمال کی تاریخ ریکارڈ کر رہا ہے۔ آج کے گونگے، بہرے زمینی اجزا کل حضرتِ انسان تیرے ہوئے کیے کے گواہ ہوں گے سوان کی حقیقت سے بے خبر نہ رہ اور سورہ زلزال پڑھ، سوچ اور اپنے آپ کو نیکیوں کے مقدس حرم میں اتار۔

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۝

جب زمین ہلا کر رکھ دی جائے گی جیسا کہ ہلانا اس کے لیے مقرر ہے (۱)

آیہ بینہ کی تفہیم کے لیے دو چیزوں کا جاننا ضروری ہے ایک تو یہ کہ زمین جس میں ہم زندگی بسر کر رہے ہیں یہ ہے کیا؟ اور دوسری یہ کہ زمین کو ہلانے سے مراد کیا ہے۔

زمین شمسی نظام میں واحد سیارہ ہے جس پر زندگی پائی جاتی ہے۔ اگر یہ اپنے موجودہ مقام سے تھوڑا سا بھی ادھر ادھر ہو جائے تو دوسرے سیاروں کی طرح بے آب و گیاہ میدان بن جائے۔ اس کا اندرونی حصہ انتہائی گرم ہے شاید سارے کا سارا لوہا ہے۔ اس کے نصف قطر کے آدھے حصے تک جو مادہ ہے وہ پانی سے دس گنا زیادہ بھاری کثافت رکھتا ہے۔ اس کے گرد لاوا لپٹا ہوا ہے پھر اس کے اوپر تقریباً سات سو میل پتھروں کی تہہ ہے جس کا باہر والا پرت پچیس میل موٹا ہے جس میں پہاڑ میخوں کی طرح گڑھے ہوئے ہیں سب سے اوپر تقریباً ایک میل مٹی ہے اسی سے حیوانات اور نباتات کے لیے خوراک مہیا کی جاتی ہے۔ زمین کے اوپر ہوائی کرہ ہے جو مضبوط چھت کی حیثیت رکھتا ہے۔

قرآن حکیم میں زمین کے بارے میں بہت سارے انکشافات دیے گئے ہیں کچھ چیزیں ظاہر ہو چکی ہیں اور کچھ ایسی ہیں جن کا ظہور قیامت سے قریب جا کر ہوگا۔ جس آیت کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں اس میں کہا جا رہا ہے کہ زمین کو ہلا کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ زلزلہ عظیمہ زمین کی ہر چیز کو ہلا کر رکھ دے گا اس سے کوئی خاص علاقہ متاثر نہیں ہوگا بلکہ زمینی نظام درہم برہم کر کے رکھ دیا جائے گا، لاوے پھٹیں گے، سیال مادے گرم ہو کر زندگی کے مصادر کو تباہ کر دیں گے، سمندروں میں آگ بھڑک اٹھے گی، مادی عناصر کے اجزائے ترکیبی گرم ہو کر ابل پڑیں گے، زلزلہ کیا ہوگا ایک حادثہ فاجعہ ہوگا زندگی کو حیات نو کا جامہ پہنانے کے لیے موت کا ذائقہ چکھنا ہوگا آیت کے اندر اصل زور اس بات پر ہے کہ غافل رہ کر زندگی نہ گذارو۔

مفسرین نے اس زلزلہ سے نفخہ اول مراد لیا ہے یعنی صور پھونکا جائے گا اور ساری مخلوق ہلاک ہو جائے گی اور کچھ دوسرے مفسرین نے اس سے نفخہ ثانیہ مراد لیا ہے یعنی جب اگلے پچھلے تمام انسان دوبارہ زندہ ہو جائیں گے سورت کے مضامین دوسری تفسیر سے زیادہ مناسب لگتے ہیں لیکن پہلا معنیٰ لینا بھی مستبعد نہیں۔

ممکن ہے کہ یہ زلزلہ مرحلہ در مرحلہ ہو پہلے تمام مخلوق کو ہلاک کر دیا جائے اور پھر کچھ وقت کے بعد سب کو زندہ کر دیا جائے۔

کہتے ہیں ایک فصیح ادیب نے یہ فقرہ بنایا تھا "اذا زلزلت الارض زلزالا" اور اس کو فصاحت پر بڑا ناز تھا جب قرآن کی یہ آیت

نازل ہوئی اور اس میں "زلزلها" کہہ کر مصدر کو مضاف کر دیا گیا تو وہ بول اٹھا میں قرآن کی فصاحت پر ایمان لایا۔

مصدر کو ضمیر کی طرف مضاف کرنے سے زلزلے کی شدت کو جس بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا وہ قرآن ہی کا حصہ ہے یعنی زمین کو ایسا ہلایا جائے گا جیسا اس کے ہلانے کا حق ہے یا جس طرح اس کا ہلایا جانا مقدر ہے اور وہ زبانِ نبوت سے بیان ہوتا رہا ہے بالکل ہو بہو اس طرح شدت کے ساتھ زمین کو ہلا کر رکھ دیا جائے گا۔

وَاَخْرَجَتِ الْاَرْضُ اَثْقَالَهَا ۙ

اور زمین اپنے بوجھوں کو باہر نکال پھینکے گی (۲)

زمین اپنے بوجھ کس طرح باہر نکال پھینکے گی اور اثقال سے مراد کیا ہے اس کے لیے مسلم شریف کی یہ روایت جان لینا کلام کی توضیح میں انتہائی موثر ہوگا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں:

زمین اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو اُگل دے گی سونا اور چاندی بڑے اور لمبے ستونوں کی مثل باہر نکل پڑیں گے۔ قاتل انہیں دیکھ کر کہے گا ہائے اس مال کے لیے میں نے فلاں کو قتل کیا تھا آج یہ اِدھر اور اُدھر رل رہا ہے، کوئی اسے ایک نظر دیکھتا بھی نہیں۔ اسی طرح صلہ رحمی نہ کرنے والا دیکھ کر کہے گا ہائے اس کی محبت میں میں نے رشتہ داروں سے حسن سلوک نہ کیا۔ چور کہے گا اس کی محبت میں میرے ہاتھ کاٹے گئے۔ سونا چاندی رل رہے ہوں گے کوئی ہاتھ نہ لگائے گا۔ انسان یہ سب کچھ دیکھ کر ہکا بکا رہ جائے گا اور کہے گا یہ زمین ہلنے والی تو نہیں تھی آج یہ بیدی کی طرح تھرانے لگ گئی اور دفعتہً وہ دیکھے گا کہ انسانی لاشیں بھی زمین اگل دے گی انسان پریشان ہو کر کہے گا اس زمین کو کیا ہوا ہے؟ پس زمین اور آسمان بدل دیے جائیں گے اور سب لوگ قہار اللہ کے سامنے کھڑے ہو جائیں گے۔ زمین صاف صاف گواہی دے گی کہ فلاں شخص نے فلاں فلاں نافرمانی کی پھر حضور ﷺ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی اور ارشاد فرمایا جانتے ہو زمین کی بیان کردہ خبریں کیا ہوں گی لوگوں نے عرض کی اللہ اور اس کے رسول ہی خوب جانتے ہیں۔ (ابن کثیر/مسلم شریف)

آیت کے فہم میں تین چیزیں سامنے آئیں ایک تو یہ کہ اثقال سے مراد وہ انسان ہیں جو قیامت کے زلزلہ سے قبروں کے اندر سے اچھل کر باہر نکل آئیں گے۔ سورہ انشقاق کی آیت "القت مافیها و تخلت" اس کی تائید کرتی ہے۔

دوسری یہ کہ اثقال سے مراد زمینی خزائن ہیں جنہیں زمین باہر پھینک دے گی۔

اور تیسری یہ کہ زمین کے اندر کا آتش فشانی مواد باہر نکل آئے گا اور تباہی مچادے گا۔

وَقَالَ الْاِنْسَانُ مَا لَهَا ۚ

اس حال میں انسان کہے گا اسے کیا ہو گیا (۳)

یہ جملہ اس فرطِ حیرت کو بیان کرتا ہے جو زلزلہ عظیمہ کو دیکھنے کے بعد انسان پر طاری ہو گا وہ زمین جس کے حسین نظاروں سے اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی رہیں وہ لالہ و گل جن کی نزہت اس کے دل کو طمانیت بخشتی رہی۔ اس کے پُر مسرت معاشرتی اطوار، سکون بخش آرام گاہیں اور وسیع کھیت آنکھوں کے سامنے ڈھیر ہونے لگیں گے تو وہ حیرت سے مجسمہ سوال بن جائے گا یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ یہ زمین کیسے ہلنے لگ گئی ہے۔ یہ بھونچال کیوں ہے قرآن مجید کا زور اس بات پر ہے کل کی حیرت سے آج کا غور و فکر زیادہ بہتر ہے اس لیے کہ ایسا سوچنا ایمان ساز ہو سکتا ہے کردار آفرین بن سکتا ہے۔

انسان سے مراد کونسا انسان ہے۔ بعض نے کہا منکر حق، بعض نے کہا ماننے والا ذہن۔ زیادہ پختہ بات یہ ہے انسان یہاں وسیع معنوں میں استعمال ہوا ہے جو سب انسانوں کو شامل ہے اس لیے کہ وقوعِ آخرت کسی ایک انسان کی سوچ کا نصاب نہیں بلکہ ہر ذہن کا نصاب فکر ہے۔

يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا ۙ

اس دن زمین اپنی خبریں خود بیان کرنے لگے گی (۴)

زمین پر انسان جو کچھ کرتا ہے زمین اس کے قول فعل، نیکی بدی حرکات سکنات سب کا ریکارڈ اپنے اندر جذب کر لیتی ہے وقت آنے پر زمین کے ذرّے بولیں گے۔ چٹانوں کو زبان مل جائے گی، کھلیان بازار شہادتیں فراہم کریں گے۔ مکان کا ہر زاویہ، زمان کی ہر گھڑی، تعلقات کا ہر موقع، فضاؤں کی ہر روش اور آباد جگہوں کا ہر لمس پکار اٹھے گا اس انسان نے یہ کیا ہے۔ نیکی یا بدی جیسے مجرموں کے اعضاء ناطق

بن جائیں گے ایسے ہی زمین کے ٹکڑے، سنگ وحجر انسان کے خلاف خبریں سناڈالیں گے۔

حضرت ربیعہ الخرشی فرماتے ہیں حضورﷺ نے فرمایا زمین سے بچ کر رہنا کیونکہ یہ تمہاری جڑ ہے اس کی پشت پر کوئی عمل کرنے والا ایسا نہیں جس کے عمل کی یہ خبر نہ سنائے خواہ وہ عمل اچھا ہو یا برا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ جب آپ بیت المال کو خالی کر دیتے تو دو رکعت ادا فرماتے اور زمین کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے گواہ رہنا میں نے حق کے لیے بیت المال کو بھرا اور حق ہی کے لیے بیت المال کو خالی کیا۔

یہ بھی کہ حضرت علی مساجد کے مختلف مقامات پر نماز پڑھنے کا حکم صادر فرماتے کیونکہ نماز کی جگہیں بروز قیامت گواہی دیں گی۔

بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ﴿۵﴾

کیوں کہ آپ کے ربّ نے اُس کے لئے یہ بات وحی کے ذریعہ بتادی ہے (۵)

زمین کیسے خبریں سنائے گی۔ دورِ جدید میں اسے کیونکر ممکن سمجھا جائے۔ سائنسی ایجادات کے وسائل آفرین دور میں درجنوں ایسے آلے ایجاد کر لیے گئے ہیں جن میں آوازیں، صورتیں اور افعال محفوظ کر لیے جاتے ہیں۔ اب تو اندھیرے اور روشنی کی بھی تخصیص نہیں رہی ہر حالت میں آلات تصویریں لینے پر گرفت رکھتے ہیں یہ کیسے ممکن نہیں کہ اللہ کے حکم پر زمین کے ٹکڑے گواہیاں نہ ثبت کریں۔ قرآن مجید کا مختصر لیکن ایجاز سے لبریز جملہ ہر وسوسے اور اشکال کو دور کر دیتا ہے کہ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ تیرے ربّ نے اسے حکم دے رکھا ہوگا۔

يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ﴿۶﴾

اس دن لوگ مختلف حالتوں میں قبروں سے نکل پڑیں گے تاکہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں (۶)

قرآن حکیم نے بڑے مؤثر پیرائے میں مناظرِ قیامت بیان کیے۔ سورت کا یہ حصہ یقین افروز ہے آنکھیں کھول دینے والا ہے۔ قرآنی بصیرتیں انسان کی آنکھ کو دور تک دیکھنے والا بنا دیتی ہیں۔ کتاب اللہ بتاتی ہے زمین کی ہر طرف سے اگلے پچھلے سب لوگ بکھرے ہوئے ٹڈی دل کی طرح قبروں سے نکل کر اللہ کے حضور جمع ہوں گے۔ خوف، وحشت اور سرعت ہر قدم سے امڈ رہی ہوگی۔ آنکھیں پھٹی ہوں گی، گردنیں اٹھی ہوں گی، سب گروہ در گروہ ایک بڑے میدان میں جمع ہوں گے۔

اللہ کی طرف گروہ در گروہ پلٹنے کے دو موقعے مفسرین نے بیان کیے ہیں ایک تو قبروں سے نکل کر اللہ کے حضور حساب و کتاب کے لئے جمع ہونا اور دوسرا حساب سے فارغ ہونے کے بعد اعمال کے مطابق جنت یا دوزخ کی طرف روانہ ہونا۔

روانگی کے وقت لوگ پراگندہ ہوں گے یہ کیفیت کس حیثیت میں ہوگی۔ انتشار و اختلاف کی بنیاد کیا ہوگی، کون کس کے ساتھ ہوگا۔

پہلا قول یہ ہے، ہر مذہب والے الگ الگ میدان محشر میں وارد ہوں گے۔

دوسرا قول یہ ہے تہذیب، تمدن کے اعتبار سے ہر علاقہ کے لوگ الگ الگ اٹھائے جائیں گے۔

تیسرا قول ہے ہر قوم اپنے نظریاتی پیشوا کے ساتھ اٹھے گی۔

چوتھا قول یہ ہے حسن نظریہ اور حسن عمل کے نتیجے میں خوبصورت چہروں والے الگ اور ظلمت بھرے کالک زدہ چہروں والے جدا محشر میں وارد ہوں گے۔

پانچواں قول یہ ہے کہ ایمان والے ایمان والوں کے ساتھ اور کافر کافروں کے ساتھ محشور ہوں گے۔

چھٹا قول ہے جس کے ساتھ محبت ہوگی اسے اس کے ساتھ عرصہ محشر میں اٹھایا جائے گا۔

یہاں لفظ 'صادر' اونٹوں کے پانی والی جگہ جمع ہونے کے لئے ہے۔ لفظ ہیجان، زور اور روانی پر دلالت کرتا ہے کہ کسی کو کسی کی پروا نہ ہو گی سب یک دم اپنے ہی پسینے میں ڈوبے ہوئے منزل کی طرف بڑھ رہے ہوں گے۔

یہ جمع کرنا کس لئے ہوگا؟ تاکہ لوگوں کو ان کے اعمال دکھائے جائیں۔ مفسرین نے لکھا کہ اعمال کو دیکھنا تین طرح ہوگا

ایک تو یہ کہ اعمال نامہ ان کے سامنے رکھ دیا جائے گا جس میں ہر چیز ثبت ہوگی۔

دوسرا اعمال کی تجسیم ہوگی جیسے آج ہم ویڈیو وغیرہ میں اعمال کو صورۃً دیکھ رہے ہوتے ہیں۔

اور تیسرا یہ کہ مشاہدہ باطنی ہوگا ہر شخص کی زندگی اس کے حواس کے سامنے کھل جائے گی۔

فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ﴿۷﴾ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ﴿۸﴾

پس جو شخص وزن میں ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا اس کی اچھی جزا پائے گا (۷)

اور جو وزن میں ذرہ بھر بھی برائی کرے گا تو وہ بھی اُسے دیکھ لے گا (۸)

قاری قرآن کی روح میں احتساب کا خوف اور احساس بیدار کرنے میں جتنی مؤثر یہ دو آیتیں ہیں شاید کوئی دوسری آیت نہ ہو۔ قرآن حکیم بتاتا ہے کہ احکم الحاکمین کے حضور جب پیشی ہوگی ذرے ذرے کا حساب ہوگا۔ "میزان محشر" کسی لطیف مفہوم مخفی فعل، غیر مرئی عمل کسی بھی چیز کا وزن کرنے سے قاصر نہ ہوگی۔ ذرہ بھر نیکی ہو یا ذرہ بھر بدی سب کا محاسبہ ہوگا۔

علامہ بیضاوی نے ذرہ کا معنیٰ چھوٹی سرخ رنگ کی چیونٹی لی ہے۔ رازی نے غبار کے باریک اجزا اس کے مفہوم کو واضح کرنے کے لئے لکھے ہیں۔ محی الدین شیخ زادہ نے لکھا ہتھیلی زمین پر رکھنے سے وہ باریک خاکی اجزا جو ہاتھ کے ساتھ چمٹ جائیں ذرات کہلاتے ہیں۔ طحطاوی نے وہ باریک ایٹم جس کی تقسیم ممکن نہ ہو اسے ذرہ کہا ہے اسی لئے ایٹم بم کو عربی میں "قنبلہ ذریہ" کہتے ہیں اور "مثقال الشئی" کا معنیٰ کسی چیز کا وزن یا مثل کے ہوتے ہیں۔ علمائے جدید کے نزدیک ذرہ وہ ہوتا ہے جو طاقتور خوربین سے بھی نہ دیکھا جا سکے۔ عرصہ محشر کی ہولناکی کا اندازہ اس سے لگائیے وہ اعمال، نظریات، افعال اور رویے جو دنیا میں کسی بھی ترازو میں تولے نہیں جا سکتے اور خود ان کا ارتکاب کرنے والا بھی انہیں بھول چکا ہوتا ہے میدان محشر میں میزان عدل سب کچھ بے حجاب کر دے گا۔

آیت بتاتی ہے کہ کسی بھی عمل کو خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو حقیر نہ جانا جائے۔ ایک چھوٹا سا عمل جنت آباد کر سکتا ہے اور ایک چھوٹی سی غلطی متاع حیات کو جلا کر بھسم کر سکتی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا "آگ سے بچو خواہ ایک کھجور کی پھانک دے کر ہو" ایک دوسری جگہ حدیث میں وارد ہوا ہے ایک ہمسائی دوسری کو تحفہ بھیجنے سے باز نہ رہے خواہ وہ بکری کا کھر کیوں نہ ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے یہ آیت جب نازل ہوئی تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اور کچھ کھا رہے تھے آیت سنی تو کھانا چھوڑ دیا عرض کی کیا ہم اپنے نیک کام اور برے اعمال دیکھیں گے۔ رسول انور ﷺ نے فرمایا دنیا میں جو تمہیں تکلیف پہنچتی ہے وہ تمہاری خطاؤں کی وجہ سے ہے اور تمہاری نیکیاں محفوظ کر لی جاتی ہیں اور وہ قیامت کے دن تمہارے حوالے کر دی جائیں گی۔ (الجامع لاحکام القرآن)

حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا نیکی کے چھوٹے کام کو بھی حقیر نہ جانو خواہ اتنا ہو کہ تم اپنے مومن بھائی سے خندہ روئی سے ملاقات کرو۔ (مسلم شریف)

احتساب کی یہ تعبیرات اگرچہ دل ہلا دینے والی ہیں لیکن ان میں بھی رحمت کا ایک پہلو موجود ہے کہ نیکیوں کو برائیوں کے ساتھ تولا جائے گا یہ تو ممکن ہی نہیں کہ نیکی کا وزن برائی کے وزن سے ارفع اور اثقل نہ ہو اور یہ بھی کہ نیکی کا ذکر مقدم ہے اور برائی کا ذکر مؤخر ہے۔ یہ بات بذات خود اس حقیقت سے پردہ ہٹاتی ہے کہ نیکی کی تاثیر برائی کے اثر سے گہری اور نتیجہ خیزی میں اشد ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بے خوف نہیں ہونا چاہیئے۔ لرزہ براندام کر دینے والی یہ تنبیہات ہیں اسی لئے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے جب یہ آیت پڑھی گئی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے یہی کافی ہے۔

✿ ✿ ✿

رسول اکرم ﷺ کا الوداعی جامع وعظ

مفتی محمد صدیق ہزاروی

عن العرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ قال صلی بنا رسول اللہ ﷺ ذات یوم ثم اقبل علینا بوجھہ فوعظنا موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب فقال رجل یارسول اللہ ﷺ کان ھذہ موعظۃ مودع فاوصنا فقال اوصیکم بتقوی اللہ والسمع والطاعۃ و ان کان عبد احبشیاً فانہ من یعش منکم یعدی فیسری اختلافاً کثیرا فعلیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا و عضوا علیھا بالنواجذ وایاکم ومحدثات الامور فان کل محدثۃ بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ. رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ الا انہ لم یذکر والصلوٰۃ.

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ایک دن ہمیں نماز پڑھائی پھر اپنے چہرہ انور کے ساتھ ہماری طرف متوجہ ہوئے تو نہایت مؤثر وعظ فرمایا جس کے باعث آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے اور اس سے دل دہل گئے۔ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایسا لگتا ہے کہ یہ رخصت کرنے والے کا وعظ ہے۔ پس آپ ہمیں وصیت فرمائیے۔ آپ نے فرمایا میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور (اپنے امیر کی بات) سننے اور ماننے کی وصیت کرتا ہوں اگر چہ وہ (امیر) حبشی غلام ہی ہو۔ بے شک تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے۔ پس تم پر میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت (کو اختیار کرنا) لازم ہے۔ اسے مضبوطی سے تھامے رکھنا اور دانت سے مضبوط پکڑ لینا اور نئی باتوں سے دور رہنا بے شک ہر نئی (بری) بات بدعت ہے اور ہر (بری) بدعت گمراہی ہے۔

اس حدیث کو امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ (نے اپنی مسند مسند امام احمد بن حنبل میں) امام ترمذی (نے جامع ترمذی میں) اور امام ابن ماجہ نے (سنن ابن ماجہ میں) نقل کیا۔ البتہ امام ترمذی اور امام ابن ماجہ کی روایت میں نماز کا ذکر نہیں ہے۔

اس حدیث کے راوی حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کنیت ابو نجیح سلمی ہے آپ اہل صفہ میں سے ہیں۔ آپ نے شام میں سکونت اختیار کی اور وہیں ۷۵ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ آپ کا مزار حمص میں ہے۔ لفظ نجیح میں ان پر زبر جیم کے نیچے زیر اور حے نقطہ کے بغیر ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ آپ سے مروی احادیث کی تعداد ۱۳۱ ہیں۔ (اکمال فی اسحاب الرجال تصنیف شیخ ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب، صاحب مشکوٰۃ المصابیح ص ۵۸۰ مشکوٰۃ شریف)

موعظہ، وعظ ونصیحت، بلیغہ، لفظ موعظت کی صفت ہے۔ اس کا معنی پہنچنے والا یعنی مؤثر وعظ۔ ذرفت، الذرف آنکھوں کا آنسو بہانا، ذرفت واحد مؤنث غائب ماضی کا صیغہ ہے۔ وجلت الوجل سے واحد مؤنث غائب ماضی کا صیغہ ہے اس کا معنی خوف زدہ ہونا ہے۔ لفظ موعظۃ کی اضافت مودع کی طرف ہے اور مودع اسم فاعل کا صیغہ دال کے نیچے زبر ہے یعنی دوسروں کو چھوڑنے اور رخصت ہونے والے کا وعظ، المھدیین، المھدی کی جمع ہے جس کا معنی ہدایت یافتہ ہے، تمسک، کسی چیز کو مضبوطی سے پکڑنے کو کہتے ہیں، عض کا معنی کاٹنا، نواجذ، ناجذ کی جمع، داڑھیں مراد مضبوطی سے پکڑنا ہے۔

یہ حدیث نہایت جامع ہے اور اس میں رسول اکرم ﷺ کے الوداعی وعظ اور آپ کے پند ونصائح کا ذکر ہے۔ اگر چہ اس وعظ کے مضامین کا ذکر حدیث شریف میں نہیں ہے لیکن حدیث کے یہ الفاظ کہ اس سے صحابہ کرام رونے لگے اور دلوں میں خوف پیدا ہو گیا۔ اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ یہ وعظ آخرت، عذاب اور فکر آخرت سے متعلق تھا۔ چنانچہ اس ہولناک منظر کو زبان رسالت سے سن کر تمام سامعین پریشان ہو گئے۔ درحقیقت فکر آخرت ہی نیکیوں کا دروازہ کھولتی اور برائیوں کا دروازہ بند کرتی ہے۔

رسول اکرم ﷺ کے اس وعظ کے بارے میں حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کا ارشاد گرامی ہے کہ یہ موعظہ بلیغہ یعنی مؤثر وعظ تھا۔

وعظ دو قسم کے ہوتے ہیں۔

(۱) وہ وعظ جس میں الفاظ کی بندش گفتگو میں اتار چڑھاؤ جوش جذبہ کا اظہار اور اس طرح کے دیگر فن خطابت سے متعلق امور کارفرما ہوتے ہیں ایسے وعظ سے وقتی طور پر سامعین کے جذبات سے کھیلا جاتا ہے لیکن جب یہ وعظ اخلاص کے نور سے منور نہیں ہوتا اور واعظ کی بدعملی یا بے عملی کی ملاوٹ کا شکار ہوتا ہے تو یہ مؤثر نہیں ہوتا۔

(۲) وعظ کی دوسری قسم وہ ہے جب واعظ علم کے ساتھ ساتھ عمل کی دولت سے بھی مالا مال ہوتا ہے نیز اس کا وعظ اخلاص وللہیت کا عمدہ شاہکار ہوتا ہے تو اس کی سادہ گفتگو بھی دلوں میں اترتی چلی جاتی ہے اور اس کی اثر آفرینی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ اس کی محفل میں آنے والا بدکار

نیکوکار بن کرلوٹتا ہے، گمراہ، ہدایت کی دولت سے تجوری بھر کر لے جاتا ہے، فسق وفجور کی دلدل میں پھنسا ہوا، اعمال صالحہ کی قوت سے اس دلدل سے باہر آجاتا ہے۔ اس سلسلے میں تاریخ اسلام اپنے دامن میں بے شمار مثالوں کے جواہر سمیٹے ہوئے ہے۔

حضرت غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے مواعظ حسنہ کی محافل ومجالس کا مطالعہ کرنے والے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ کتنے غیر مسلم آپ کے وعظ سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوئے اور کتنے بدکار، نیک اور صالح بن جاتے۔

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ لچھے دار تقریروں کے شوق اور حرص ولالچ کی لعنت نے وعظ کی محافل کو چوپٹ کرکے رکھ دیا ہے۔

جب کوئی شخص دنیا میں موجود ہوتو وہ وقتاً فوقتاً اپنے متعلقین کو پند ونصائح سے نوازتا رہتا ہے لیکن جب کوئی عظیم شخصیت بالخصوص اللہ کا نبی و رسول دنیا سے پردہ فرمارہا ہوتو وہ جی بھر وعظ کرتا ہے تاکہ کوئی ضروری بات بیان سے رہ نہ جائے چنانچہ اس وعظ کا یہ عالم تھا کہ صحابہ کرام نے اس سے رسول اکرم ﷺ کے وصال کا اندازہ لگالیا اور وہ سمجھ گئے کہ اب رسول اکرم ﷺ ہمیں (ظاہر میں) چھوڑنے والے اور رخصت ہونے والے ہیں اس لئے انہوں نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ ان کو کوئی وصیت فرمائیں۔

اس حدیث شریف سے ہمیں یہ سبق بھی ملتا ہے کہ جب کوئی روحانی یا علمی شخصیت دنیا سے پردہ کررہی ہوتو اس سے کسب فیض کرنا چاہئے اور اہم اور بنیادی اور شریعت کے ماہرین سے ضرور راہنمائی لینا چاہئے بلکہ آج جس طرح اہل سنت وجماعت کی عظیم علمی شخصیات نہایت سرعت کے ساتھ دنیائے فانی سے کوچ کررہی ہیں اس کا تقاضا یہ ہے کہ جو شخصیات ابھی ہم میں موجود ہیں ان کے علمی وروحانی فیوضات سے زیادہ سے زیادہ فیض حاصل کیا جائے۔ مدارس دینیہ معقول نذرانہ پیش کرکے ان سے استفادہ کا اہتمام کریں، ہماری مذہبی تنظیمیں اور مساجد کی انتظامیہ ایسے لوگوں کے دروس کا اہتمام کریں اور ان کے اعزاز واکرام کا خاص خیال رکھیں اور اس کے ساتھ دور جدید کی سہولتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان جواہر پاروں کو آڈیو ویڈیو کے ذریعے محفوظ بھی کریں۔

رسول اکرم ﷺ کی وصیت جو اس حدیث شریف میں مذکور ہے درج ذیل امور پر مشتمل ہے۔

۱۔ تقویٰ ۲۔ اطاعت امیر ۳۔ سنت نبوی اور سنت خلفاء راشدین کو مضبوطی سے تھامے رکھنا اور ۴۔ بدعات سے اجتناب

ان مذکورہ بالا امور میں سے ہر موضوع پر تفصیلی گفتگو ہوسکتی ہے لیکن دلیل راہ کے صفحات کی تنگ دامنی کے پیش نظر ایک اجمالی خاکہ ہدیہ قارئین کیا جاتا ہے:

تقویٰ: یہ لفظ الوقایۃ (بچنا) سے بنا ہے یعنی ہر ایسے کام سے بچنا جو دخول جہنم کا باعث بنتا ہے۔ تقویٰ کے تین درجات ہیں۔ پہلا درجہ شرک اور کفر سے بچنا ہے کیونکہ کفر وشرک کی سزا دائمی طور پر جہنم میں رہنا ہے۔ اس معنیٰ کے اعتبار سے ہر کلمہ گو مسلمان متقی ہے۔ دوسرا درجہ ہر اس عمل سے اجتناب کرنا ہے جو جہنم میں جانے کا باعث ہے یعنی گناہوں سے بچنا کیونکہ مومن گناہ گار کو اللہ تعالیٰ چاہے تو بخش دے اور براہ راست جنت میں لے جائے اور اگر چاہے تو پہلے اس کے گناہوں کی سزا کے طور پر اسے جہنم میں داخل کرے اور پھر وہاں سے نکال کر جنت میں لے جائے۔ عام طور پر تقویٰ اسی معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے اور تقویٰ کا تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز سے قطع تعلق کرنا ہے جو خاص الخاص لوگوں کا تقویٰ ہے وہ شریعت مطہرہ کی تعلیم کے مطابق رزق حلال کماتے ہیں، معاشرتی زندگی گذارتے ہیں لیکن ان کا قلبی تعلق صرف اپنے رب کے ساتھ ہوتا ہے۔

تقویٰ وہ بنیادی چیز ہے جو انسان کو صالح بنادیتی ہے اسی کی بنیاد پر بندہ اپنے رب کا دوست (ولی) بن جاتا ہے اسی لئے قرآن مجید میں جہاں اولیاء کرام کی عظمت کو "الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون" کے الفاظ میں بیان فرمایا۔ وہاں ساتھ ہی "الذین امنوا وکانوا یتقون" کے الفاظ مبارکہ کے ذریعے یہ بھی بتایا کہ جس طرح مقام ولایت پر فائز ہونے کے لئے ایمان کا وجود ضروری ہے کوئی بدعقیدہ بے ایمان ولی نہیں بن سکتا اسی طرح اس عظیم منصب کا مستحق وہی شخص ہوگا جو دولت ایمان سے مالا مال ہونے کے بعد تقویٰ کے زیور سے بھی مرصع ہو۔

اطاعت امیر: کسی بھی معاشرے کو کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے ایک امیر کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے کی وجہ سے معاشرتی نظام بگاڑ کا شکار نہ ہو اور وہ امیر اسی معاشرہ کے صائب امرائے لوگوں کے اتفاق سے نامزد یا منتخب ہوتا ہے۔ جب کسی شخص کو امیر بنالیا اس کے حق میں اپنا ووٹ استعمال کرلیا تو اب نہ تو اس کی شکل وصورت کو دیکھا جائے گا نہ اس کی ذات پات کو ٹٹولا جائے گا اور نہ ہی کسی ذاتی خلش کو پیش نظر رکھا جائے بلکہ ان تمام باتوں سے بالاتر ہوکر اس کی بات سننا اور ماننا لازم قرار دیا گیا بشرطیکہ شریعت اسلامیہ کی خلاف

ورزی نہ ہو، یہی وہ حکمت بھری تعلیم نبوی ہے جو صالح معاشرہ کی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور انتشار وافتراق کی فضا کے آگے بند باندھتی ہے۔

سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع اللہ و من عصانی فقد عصی اللہ و من یطع الامیر فقد اطاعنی و من یعص الامیر فقد عصانی و انما الامام جنۃ یقاتل من ورائہ و یتقی بہ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۱۸)

جس شخص نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے اپنے امیر کی بات مانی اس نے میری بات مانی اور جس نے اپنے امیر کے حکم سے روگردانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور امام (امیر) ایک ڈھال جس کی پناہ میں (دشمن سے) لڑا جاتا ہے اور بچاؤ اختیار کیا جاتا ہے۔

اگر امیر کا حکم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے مشتمل ہو تو اس کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

السمع والطاعۃ علی المرء المسلم فیما احب و کرہ مالم یومر بمعصیۃ فاذا امر بمعصیۃ فلا سمع ولا طاعۃ (مشکوۃ المصابیح ص ۳۱۹)

مسلمان شخص پر (امیر کی بات) سننا اور ماننا لازم ہے چاہے وہ بات اسے پسند ہو یا نہ جب تک (اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کی) نافرمانی کا حکم نہ ہو جب نافرمانی کا حکم دیا جائے تو نہ سنا جائے نہ مانا جائے۔

حکیم الامت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی نے اس اعتراض کا جواب ذکر فرمایا کہ جب خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے تو کسی حبشی کے امیر بننے کا کیا مطلب ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

خیال رہے کہ خلافت قریش کے ساتھ خاص ہے مگر امارت ہر مسلمان کو مل سکتی ہے لہٰذا یہ حدیث اس حدیث کے خلاف نہیں (جس میں فرمایا) الخلافۃ للقریش (مرأۃ المناجیح جلد اول ص ۱۶۴)

ایک سوال یہ ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزید کی اطاعت نہیں کی تو کیا آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں ہوگا اس حوالے سے حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

''نیز امیر کی اطاعت انہی احکام میں ہوگی جو خلاف شرع نہ ہوں نیز اس کی اطاعت امیر بن جانے کے بعد ہوگی یزید امیر بنا ہی نہ تھا حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے اسے حاکم مانا ہی نہیں لہٰذا آپ کا عمل اس حدیث کے خلاف نہیں۔ امیر بنانا اور ہے اور امیر بن چکنے کے بعد طاعت کرنا کچھ اور (ایضاً)

اس حدیث شریف سے رسول اکرم ﷺ کی نگاہ نبوت اور مستقبل پر نظر جسے غیب کی خبر دینے سے تعبیر کیا جاتا ہے، پر بھی روشنی پڑتی ہے، کیونکہ آپ نے فرمایا تم میں سے جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے وہ بہت زیادہ اختلاف دیکھیں گے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات وحی کے بغیر نہیں کہی جاسکتی، نہ تو اس کا علم عقل کے ذریعے حاصل ہوسکتا ہے اور نہ حواس کے ذریعے اور غیب کی تعریف یہی ہے کہ جس بات کا علم حواس یا عقل کے ذریعے حاصل نہ ہوسکے۔ (نوٹ) اس موضوع پر تفصیلی گفتگو آئندہ کسی شمارے میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ)

رسول اکرم ﷺ نے اختلاف کی صورت میں سنت کی طرف رجوع کا حکم دیا اور یہ بھی بتایا کہ رسول اکرم ﷺ کا قول وفعل اور تقریر (جس عمل کی آپ نے خاموش تائید فرمائی) بھی سنت ہے اور خلفاء راشدین کے فیصلے اور عمل بھی سنت ہے۔ بدعت سے اجتناب کا حکم فرمایا بدعت ہر وہ کام ہے جس کی شریعت میں اصل نہ ہو جب کہ لغوی معنی کے اعتبار سے ہر نئے کام کو بدعت کہتے ہیں۔ حدیث میں اگرچہ '' کل بدعۃ ضلالۃ'' فرمایا لیکن اہل علم پر مخفی نہیں کہ عام کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔

عام مخصوص البعض اور عام غیر مخصوص البعض۔

جس حکم کے عموم سے بعض افراد کو نکال دیا جائے اسے عام مخصوص البعض کہتے ہیں۔ یعنی ہر بدعت ضلالت نہیں ہے بلکہ بعض بدعات ضلالت ہیں اور کچھ نئے کام ہیں لیکن چونکہ وہ سنت کے خلاف نہیں ایک دوسری حدیث شریف میں اس کی وضاحت موجود ہے:

حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

من احيٰی سنة من سنتی قد امیتت بعدی فان له من الاجر مثل اجور من عمل بها من غیر ان ینقص من اجورهم شیاء و من ابتدع بدعة ضلالة لا یر ضاها الله و رسول کان علیه من الاثم مثل اثام من عمل بها لا ینقص ذالک من اوزارهم شیاء. (مشکوٰۃ المصابیح)

''جس شخص نے میری سنت میں سے کسی ایک سنت کو جو میرے (وصال کے) بعد مٹ چکی تھی، زندہ کیا اس کے لئے ان لوگوں کے اجروں کی مثل اجر ہوگا جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے اجروں میں سے بھی کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص گمراہی والی بدعت جاری کرے جس پر اللہ اور رسول راضی نہیں ہیں اس پر ان لوگوں کے گناہوں کے برابر گناہ ہوگا جنہوں نے اس پر عمل کیا اور اس سے ان کے گناہوں میں بھی کوئی کمی واقع نہ ہوگی''۔

اس حدیث میں مطلق بدعت کا ذکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ دو باتوں کی قید ہے ایک لفظ ضلالۃ ہے اور دوسری قید ''لا یرضاہ الله و رسوله'' کہ اللہ اور اس کے رسول اس پر راضی نہ ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ بعض بدعات ایسی بھی ہیں جو ضلالت (گمراہی نہیں) اور ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ناراض نہیں ہوتے لہٰذا ہر بدعت کو گمراہی قرار دینا لاعلمی بھی ہے اور اس حدیث شریف کا انکار بھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن وسنت کا فہم اور دیانت کی دولت سے مالا مال فرمائے آمین۔

نوٹ: سنت اور بدعت کا موضوع تفصیل کا متقاضی ہے انشاء اللہ تعالیٰ اس پر مستقل تحریر کسی وقت دلیل راہ کے قارئین کی خدمت میں پیش کی جائے گی۔ (ہزاروی)

✿ ✿ ✿

دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا؟

ڈاکٹر رضا فاروقی

"اگر آئندہ سو سال کے اندر کسی مذہب کے انگلستان پر ہی نہیں بلکہ پورے یورپ کے ذہن و فکر پر چھا جانے کا امکان ہے تو وہ صرف اسلام ہے" یہ الفاظ جارج برنارڈ شا کے ہیں۔ جبکہ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے غیر مسلم مفکرین نے بھی اسلامی تعلیمات سے متاثر ہو کر کہا ہے کہ "دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا"۔ ان خیالات کے اظہار کی وجہ اسلام کا وہ عادلانہ اور منصفانہ نظام زندگی ہے جس کی نظیر کسی بھی جدید و قدیم نظام میں موجود نہیں۔ اسلام نے انسانی حقوق کا جو چارٹر دیا آج کی مہذب دنیا اور اس دنیا کے اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد بھی اس کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ انسانی حقوق کے حوالے سے اسلامی تعلیمات ملاحظہ ہوں۔

☆ اسلامی ریاست میں تمام شہریوں کے جان و مال مقدس خیال کیے جاتے ہیں خواہ کوئی شخص مسلم ہو یا غیر مسلم۔

☆ دین اسلام انسان کی عزت و آبرو کو تحفظ دیتا ہے چنانچہ دوسروں کی توہین کرنا، ان کا مذاق اڑانا ممنوع ہے۔ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا تھا: "بے شک تمہارے خون تمہارے اموال اور تمہاری آبروئیں ایک دوسرے پر حرام ہیں"

☆ اسلام نسل پرستی پر کاری ضرب لگاتا ہے اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ قرآن نے کہا: "اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور ہم نے تمہارے خاندان اور قبیلے بنائے تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ بلاشبہ اللہ کے ہاں تم میں سے سب سے زیادہ عزت والا (وہ ہے جو) تم میں سے سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔ بے شک اللہ بہت علم والا خوب باخبر ہے"۔ (سورۃ الحجرات)

سورۃ الحجرات میں ہی اسلامی اخوت کا فلسفہ یوں بیان کیا گیا ہے: "بے شک سارے مسلمان بھائی بھائی ہیں"

☆ اسلام اِس امر کو مسترد کرتا ہے کہ کسی فرد یا قوم کو اپنی دولت، اقتدار یا نسل کی بناء پر اوروں پر برتری حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو برابر پیدا کیا:

"اے لوگو! بے شک تمہارا رب ایک ہے اور بے شک تمہارا باپ (آدم علیہ السلام) ایک ہے۔ خبردار! کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر اور کسی گورے کو کالے پر اور کسی کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں سوائے تقویٰ کے۔" (خطبہ حجۃ الوداع)

دورِ جدید آج جن بڑے بڑے مسائل سے دوچار ہے ان میں سے ایک نسل پرستی بھی ہے۔ ترقی یافتہ ممالک نے انسان کو چاند پر تو بھیج دیا مگر وہ انسان کو انسان سے نفرت کرنے اور آپس میں جنگ و جدل سے نہیں روک سکے۔ دین اسلام نے تمام نسلوں اور قوموں کے درمیان اسلامی اخوت کا ایک عظیم بندھن باندھ دیا ہے جس کی ایک مثال ہر سال حج بیت اللہ کے موقع پر دیکھی جا سکتی ہے۔

☆ اسلام عدل و انصاف کا دین ہے۔ ارشادِ رب کریم ہے کہ "بے شک اللہ حکم دیتا ہے کہ تم امانتوں والوں کی امانتیں لوٹا دو اور (حکم دیتا ہے) کہ جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے لگو تو عدل سے فیصلہ کرو"۔

مدینہ طیبہ میں جب ایک معزز خاندان کی خاتون کو چوری کے جرم میں سزا دی گئی تو بہت سی سفارشیں آئیں رسالتمآب ﷺ نے اس موقع پر فرمایا کہ گذشتہ اقوام کی تباہی کا باعث یہی امور تھے کہ بڑوں کو چھوڑ دیا جاتا اور چھوٹوں کو سزا ملتی فرمایا کہ اگر میری بیٹی فاطمہ بھی جرم کرتی تو اسے بھی یہی سزا ملتی۔

عدل و انصاف، مساوات، انسان دوستی، مذہبی رواداری اور جنگی اخلاق کے بہترین نمونے مسلمانوں نے دنیا کے سامنے رکھے ہیں اور یقیناً یہی تعلیمات تھیں اور ان تعلیمات پر مسلمانوں کا عمل تھا جس کی وجہ سے غیر مسلم اقوام مرعوب ہوئیں، دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اور یہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ دنیا کا آئندہ مذہب اسلام ہوگا۔

اس وقت پوری دنیا میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے۔ عجب بات یہ ہے کہ جہاں نائن الیون (11 ستمبر 2001) کے حادثات کے بعد مغرب میں مسلمانوں کے خلاف عناد اور تعصب میں اضافہ ہوا ہے وہیں مغرب میں حلقہ بگوش اسلام ہونے والوں کی تعداد تیزی سے بڑھی ہے۔ پچھلے بیس برسوں میں امریکہ میں بھی اسلام تیزی سے قبول کیا جا رہا ہے اور کہا جا رہا ہے کہ بہت جلد دین اسلام عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب ہوگا۔ اس وقت ایک سروے کے مطابق امریکہ میں ہر ماہ پانچ مساجد کی تعمیر ہو رہی ہے۔ مسلم اسکول اور ادارے معرضِ وجود میں آ رہے ہیں۔ مسلمانوں کی کئی ایک پیشہ وارانہ تنظیمیں بن چکی ہیں جن میں مسلم میڈیکل ایسوسی ایشن، لائرز ایسوسی ایشن اور بزنس ایسوسی ایشن شامل ہیں۔ مسلم خورد و نوش کی ضرورت اور اہمیت کو تسلیم کر لیا گیا ہے اس وقت صرف امریکہ میں دو لاکھ سے زائد کاروبار مسلم افراد کے ہاتھوں میں ہیں۔ صحافتی اور لٹریچر کی سطح پر بھی کافی کام جاری ہے۔ 200 سے زائد ماہانہ رسائل و جرائد منظرِ عام پر آ رہے ہیں۔ امریکی مسلمانوں نے اب محسوس کیا ہے کہ ان کی محنت شاقہ رنگ لا رہی ہے اور اسلام یہاں نہ صرف موجود رہے گا بلکہ پوری طرح پھولے پھلے گا۔ یہاں کچھ نامور لوگوں کے تاثرات دینا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

امریکہ کی سابق خاتونِ اوّل اور موجودہ صدارت کی امیدوار ہیلری کلنٹن کہتی ہیں:

''اسلام امریکہ میں سب سے تیز پھیلنے والا مذہب، ہماری قوم کے بہت سے افراد کے لیے ایک رہنما اور استحکام کا ستون ہے''۔

ٹموتھی کینی کہتی ہیں:

''مسلمان دنیا کا سب سے تیز پھیلنے والا گروہ ہیں''۔

گولڈ مین کا کہنا ہے کہ

''اسلام امریکہ میں سب سے تیز پھیلنے والا مذہب ہے۔ سیاہ فام امریکی تیزی سے اسلام کا مروجہ مسلک قبول کر رہے ہیں''۔

اسلام قبول کرنے والے مختلف ممالک، طبقوں، نسلوں اور شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان میں سائنسدان، پروفیسر، صحافی، سیاستدان اور کھلاڑی سب شامل ہیں۔ اب آپ سمجھ سکتے ہیں کہ دراصل اہل مغرب اور امریکہ مسلمانوں کو کیوں نفرت کا نشانہ بنا رہے ہیں، کیوں مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کا درپے ہے لیکن یہ قانونِ قدرت بھی ہے کہ جتنا دباؤ گے اتنا ہی ابھرے گا۔ مسلمان ترقی کی راہ پر گامزن ہیں اور وہ دن دور نہیں کہ جو تحریک مسلم ممالک سے نہ اٹھ سکی وہ امریکہ اور یورپ کے قلب سے اٹھے گی۔ آپ دیکھ سکتے ہیں کہ نائن الیون کے بعد امریکہ میں سوچ اور فکر کا ایک نیا رجحان پیدا ہوا ہے اور سب سے زیادہ جو کتاب دلچسپی کا باعث بنی ہے وہ قرآن مجید ہے۔ جن بک سٹورز پر قرآن مجید کے نسخے گزشتہ کئی برس سے فروخت نہیں ہوئے تھے انہیں قرآن کے نئے ایڈیشن شائع کرنے پڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے قرآن امریکہ میں سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بن گیا۔

شہرت یافتہ پبلشر "Penguin Book" نے 11 ستمبر کے بعد قرآن کے 20 ہزار سے زائد نسخے شائع کیے۔ امریکی اخبار ''یو ایس اے ٹوڈے'' نے لکھا:

''لوگ اسلام کے بارے میں جاننا چاہتے ہیں اور اس رجحان نے امریکہ میں قرآن کو سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتاب بنا دیا ہے۔ کیونکہ امریکہ کے غیر مسلم افراد نے یہ محسوس کیا ہے کہ ایک مسلمان یا کوئی اور شخص اس کتاب کا کوئی صفحہ کھول کر اس سے زندگی کا کوئی نہ کوئی راز جان سکتا ہے۔ یہاں تک کہ امریکہ کے پبلک سکولوں میں بچوں کو قرآن کی آیات زبانی یاد کرنے کو کہا گیا اور خفیہ ایجنسی ایف بی آئی کے افسران کو اسلام سے روشناس کرایا جانے لگا ہے''۔

وائس آف امریکہ کے مطابق 11 ستمبر کے بعد امریکہ میں تبدیلی مذہب کے واقعات میں زبردست اضافہ ہوا ہے۔ ہوائی میں اس کا سب سے زیادہ اثر دیکھا گیا ہے۔ جہاں اسلام قبول کرنے والوں میں بڑی تعداد سابق فوجیوں کی ہے۔ 11 ستمبر سے قبل شہر ہونولولو میں مقامی مسلمانوں کی تعداد صرف تین تھی مگر ستمبر سے دسمبر 2001 تک اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد 23 ہوگئی معتبر ذرائع کے مطابق امریکہ میں مسلمانوں کی تعداد 70 لاکھ سے تجاوز کر گئی ہے۔

یورپ اور مغرب میں اسلام کے دائرہ میں داخل ہونے کا سلسلہ کافی حوصلہ افزا ہے۔ مگر دوسری طرف مسلم ممالک اور امتِ مسلمہ کی حالتِ زار کافی نازک ہے، وہ دین جو عدل و انصاف کا داعی ہے جو قلب و روح کی طمانیت بخشتا ہے اس کے ساتھ ساتھ نفسانی خواہشات اور سفلی جذبات کا قلع قمع بھی کرتا ہے۔ اس دین کے ماننے والے آج اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے احکامات سے دور ہو گئے ہیں۔ اس لیے ذلت کی زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یہ اُمت مسلمہ پر جو وبال ہے یہ ہمارے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ ہمارے سامنے عبرت انگیز مثالیں بھی موجود ہیں۔ جب مسلمانوں نے اسلام سے گریز کی روش اختیار کی، بدعات و خرافات کا دورانیہ بڑھتا چلا گیا۔ سُنت کی پابندی میں کمی ہوتی گئی حتیٰ کہ وہ نام کے مسلمان رہ گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سنت نافذ فرمائی کہ جاہل، ان پڑھ اور وحشی تاتاری ان پر مسلط کر دیے اور انہوں نے فرعونی سیاست ایک دفعہ پھر دہرائی۔ انہوں نے مسلمانوں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، مسلمان کی نسل تک ختم کر دی، علم کے ذخائر نذرِ آتش کر دیے گئے، مساجد کو مسمار کر دیا گیا، حتیٰ کہ اللہ کا نام لینے والا ایک فرد بھی نہ بچا۔ آج ہم بحیثیت قوم نیل کے ساحل سے لے کر کاشغر تک ذرا غور کریں کیا ہماری حالت وہی تو نہیں جو درج بالا مثال میں مسلمانوں کی تھی؟

بہر حال دوسری جانب یہ بھی رب کائنات کا انداز ملاحظہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے انہی وحشیوں میں سے مخلص اہل علم و عمل اور سچے داعی پیدا کر دیے جن کی محنت شاقہ سے تاتاری قوم اسلام سے روشناس ہوئی۔ کریمیا اور قازان کے تاتاری اور مغل ایسی ہی اقوام ہیں۔ جو قوت اسلام کی قوت تھی اور پھر مرورِ زمانہ نے مسلمانوں میں کمزوریاں پیدا کر دیں اور وہ اقوام یورپ کے چنگل میں پھنس کر ان کے غلام بن گئے۔ چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں یہ مسلمان بٹ گئے، ڈیڑھ دو صدیوں کے دورِ غلامی کے بعد آزاد بھی ہوئے، مگر اُمت کا وقار اور دبدبہ بحال نہ ہو سکا۔ لیکن اسلام بہرحال ایک قوت ہے اس نے پھر پہلے کی طرح امریکہ اور یورپ کے ایوانوں میں اپنی صدا بلند کرنا شروع کر دی ہے اور کچھ بعید نہیں کہ سارا یورپ اور امریکہ محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن رحمت میں پناہ لینے کے لیے بے چین ہو جائیں۔

✿ ✿ ✿

صوفیائے کرام اور دو قومی نظریہ کا ارتقاء

محمد اسلم الوری

تاریخ بتاتی ہے کہ ساتویں صدی عیسوی میں کفر و شرک سے معمور بتکدہ ہند میں سب سے پہلے وارد ہونے والے مسلمان روشن چہروں، کشادہ پیشانیوں اور عشق رسول ﷺ سے معمور سینوں والے نفوس قدسیہ تھے جنہیں بارگاہ رسالت مآب سے مشرکین ہند کے خلاف جہاد پر جنت و مغفرت کی نوید کشاں کشاں یہاں لے آئی تھی ان کی روح رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارکہ سے سرشار تھی کہ "مجھے ہندوستان کی طرف سے ربانی خوشبو آتی ہے"۔(1) ان میں صحابی بھی تھے اور تابعی بھی، صوفیا بھی تھے اور علما بھی، تاجر بھی تھے اور مجاہدین صف شکن بھی یہ قدسی نفوس اپنے افکار و اعتقادات اور معمولات و مشاغل کے اعتبار سے سرزمین ہند میں ایک جداگانہ تہذیب و تمدن کے نمائندہ تھے۔ لہٰذا اسلامی اصول معاشرت کے مطابق جداگانہ طرز کے سماج کی تشکیل کا معقول جواز رکھتے تھے۔(2) بقول قائداعظمؒ "پاکستان اسی دن وجود میں آ گیا تھا جب ہندوستان میں پہلا ہندو مسلمان ہوا تھا"۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب یہاں مسلمانوں کی حکومت بھی قائم نہیں ہوئی تھی۔ مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد کلمہ توحید ہے، وطن نہیں اور نہ ہی نسل۔ ہندوستان کا جب پہلا فرد مسلمان ہوا تو وہ پہلی قوم کا فرد نہیں رہا وہ ایک جداگانہ قوم کا فرد ہو گیا۔ ہندوستان میں ایک نئی قوم وجود میں آئی۔(3)

برصغیر میں مسلم ریاست کے قیام کا جواز صدیوں پہلے ان بزرگان دین نے فراہم کیا تھا جنہوں نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات پر مبنی اپنے اخلاص و عمل ایثار و محبت اور انسانی ہمدردی کے حوالے سے مظلوم و مقہور مقامی طبقات کو اپنے ساتھ ملا کر ایک مضبوط فکری و تربیتی نظام کی بنیاد رکھی۔ برصغیر کے طول و عرض میں پھیلے ہوئے ان روحانی سرچشموں سے فیض یاب ہو کر لاکھوں افراد ذہنی و نفسیاتی طور پر اپنے عہد کے جبر و استبداد اور معاشی و سماجی استحصال کے خلاف برسرپیکار ایک مضبوط سماجی نظام کا حصہ بن گئے جس کی بنیادیں اسلام کے انقلابی فلسفہ حیات پر استوار تھیں۔ ہندو سماج سے باغی اور مروجہ سماجی اقدار و روایات سے متنفر یہی وہ عوامی عنصر تھا جس کی اساس پر برصغیر میں ایک ہزار سالہ مسلم اقتدار کا قصر رفیع تعمیر کیا گیا۔(4)

طلوع اسلام کے بعد برصغیر کے وہ خطے جو سب سے پہلے دین مصطفیٰ ﷺ کی ضیا پاشیوں سے منور ہوئے ان میں سری لنکا، جزائر مالدیپ، مارواڑ، گجرات کاٹھیاواڑ، مالابار، سندھ میں دیبل مکران، ملتان کشمیر اور پنجاب کے سرحدی مقامات شامل ہیں۔ ٹھٹھہ کی تحصیل میرپور ساکرو میں موضع گوجو کے قریب شیخ ابوتراب شیخ تابعی کا 171ھ میں تعمیر شدہ مزار عہد اسلامی کی اولین زیارت گاہوں میں شمار ہوتا ہے(5) مشرقی ساحل پر راس کماری کے شمال مشرق کی طرف کارومنڈل (مدراس) کے شہر لاپٹم کی کھدائی کے دوران 71ھ سے چھٹی صدی ہجری تک کے سکے دریافت ہوئے ہیں۔(6) حضرت عبداللہ شاہ غازیؒ (98ھ-151ھ) اور عبداللہ شاہ اصحابیؒ مدفون (مکلی) ٹھٹھہ، بعض تذکرہ نگاروں کے مطابق سرزمین سندھ میں وارد ہونے والے اولین سادات کرام میں شامل تھے۔(7)

مورخین کے مطابق حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حکم بن عمرو ثقفی اسلامی فوج لے کر مکران جا رہے تھے کہ راستے میں ایرانی فوج نے ان کا مقابلہ کیا اور اپنی مدد کے لئے سندھ کے راجا سے فوج منگائی تھی جو عربوں کے خلاف صف آرا ہو گئی مگر متحدہ فوجوں کو شکست ہوئی۔ اس زمانے میں بحرین کے گورنر عثمان بن ابی العاص الثقفی نے حضرت عمرؓ کی اجازت کے بغیر عمان کے راستے ساحل ہند پر ایک لشکر بھیج دیا جو علاقہ ممبئی میں مقام تھانہ تک آیا اور بخیر و عافیت واپس عرب پہنچا۔ خلیفہ ولید بن عبدالمالک کے زمانے میں حجاج بن یوسف گورنر عراق کے داماد اور چچازاد بھائی سترہ سالہ عمادالدین محمد بن قاسم نے چھ ہزار سواروں کے ساتھ خشکی کے راستے 711ء کے موسم خزاں میں دیبل پر حملہ کیا اور فقط دو برس کے اندر نیرون، سیوان، برہمن آباد اور ملتان پر قبضہ کر کے سندھ اور ملتان کا سارا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا۔

اس کے بعد تقریباً تین صدیوں تک شمالی ہندوستان کے عوام مقامی ہندو راجاؤں کے زیر تسلط کسی بیرونی مسلم فاتح کو ترستے رہے لیکن کفرستان ہند کے بحر ظلمات میں صوفیاء نے تبلیغ و اشاعت اسلام کے لیے اپنی پیش قدمی جاری رکھی۔ بالآخر 979ء میں غزنی کے مسلم حکمران امیر سبکتگین نے ہند کے راجا جے پال کو شکست دے کر کابل سے پشاور تک کا علاقہ فتح کر لیا اور موجودہ پاکستان کی سرحد پر واقع غزنی میں ایک ایسا عسکری اور حکومتی مرکز قائم کر دیا جس نے برصغیر کی آئندہ فتوحات کے لئے بنیاد فراہم کی۔(8)

997ء میں سبکتگین کی وفات کے بعد اس کے نامور فرزند محمود غزنوی نے متھرا، قنوج، سومنات اور دیگر شہروں پر پے در پے حملوں سے ہندو راجاؤں کی فتوحات کے بعد لاہور میں اپنے غلام محمد ایاز کی زیر قیادت اسلامی حکومت قائم کر کے 1030ء میں وفات پائی۔ لاہور میں مسلم حکومت کے قیام سے تو گویا صدیوں سے پیاسی سرزمین ہندوستان پر علم و حکمت اور رشد و ہدایت کی بہار آ گئی اور بلاد اسلامیہ سے مسلم صوفیاء، علماء، مورخین، ماہرین فن اور مجاہدین کا سیلاب امڈ آیا۔ اچ میں شیخ صفی الدین گازرونی (م 1007ء) ملتان میں شاہ یوسف گردیزی (1049-1152ء) لاہور میں شیخ اسمٰعیلؒ لاہوری، ابوالحسن علی بن عمر بن حکم لاہوری، ابوالشیخ عبدالصمدؒ لاہوری اور غزنی سے آنے والے شیخ علی بن عثمان ہجویریؒ (م 1072ء)، امام

حسن صنعانیؒ، سید احمد توختہؒ (م 602ھ) سید یعقوب زنجانیؒ (م 604ھ) اور شیخ عزیز الدین مکیؒ (م 612ھ) کا شمار اس دور کے ممتاز ترین صوفیاء میں ہوتا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں صوفیاء و مشائخ نے تبلیغ اسلام کے لئے جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی ہند کی تاریخ کا روشن باب ہیں۔ (9) مسلم سلاطین نے اگر ملک فتح کیا تو صوفیاء و مشائخ نے تسخیر قلوب کا فریضہ انجام دیا اور تہذیب و تزکیہ کے ذریعے مسلم معاشرے کو استحکام بخشا۔ ہندوستان میں عہد سلاطین میں چشتیہ اور سہروردیہ اور دور مغلیہ میں قادریہ اور نقشبندیہ سلسلوں نے تہذیب و تبلیغ کا کام کیا اور خوب کیا۔ برصغیر پاک و ہند کے مختلف مقامات میں اہل اللہ نے اپنے حلقے قائم کر کے دین کی تبلیغ کی اور ملک کے طول و عرض کے لوگوں کو ایک مرکز پر قائم کر کے ان میں اتحاد ملی اور اتفاق قومی کا جذبہ پیدا کیا۔ پنجاب سے آسام، دہلی سے دکن اور کشمیر سے کابل تک کے دور دراز علاقوں میں چشتی، قادری، سہروردی اور نقشبندی مشائخ کی اصلاحی و تبلیغی سرگرمیوں کے نقوش و آثار ملتے ہیں۔ (10) اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے جس حکمت عملی پر اپنی طویل جدوجہد کی بنیاد رکھی اس کے درج ذیل پہلو نہایت دلچسپی اور تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔

ا۔ مسلم معاشرہ کی تشکیل کے لئے افرادی قوت کی فراہمی جو کفر و شرک میں مبتلا مقامی آبادی کو وسیع پیمانے پر اسلام کے دامن امن و عافیت میں داخل کئے بغیر ناممکن تھا۔

ب۔ مناسب اہلیت و باطنی استعداد رکھنے والے نومسلموں میں تعلیم و تربیت کے ذریعے دین متین کی انقلابی و آفاقی روح بیدار کر کے انہیں ایک مثالی جماعت کی حیثیت سے نہایت موثر و منظم انداز میں تبلیغ دین اور برصغیر میں مسلم معاشرہ کی توسیع و استحکام کے لئے بروئے کار لانا۔

ج۔ تبلیغی سرگرمیوں کے نتیجے میں تیزی سے فروغ پذیر نوزائیدہ مسلم معاشرہ کو اقتدار اور ذرائع معاش پر قابض طاقتور استحصالی قوتوں کی جانب سے لاحق ممکنہ خطرات کے پیش نظر ہند سے باہر اسلامی حکومتوں سے تعاون و رابطہ۔

د۔ برصغیر میں ایک بار مسلم حکومت کے قیام کے بعد اس کے فروغ و استحکام کے لئے مساوات، سماجی انصاف اور انسانی ہمدردی کے اسلامی اصولوں پر مبنی فلاحی معاشرہ کی تشکیل۔

صوفیاء کرام طاقت کا حقیقی سرچشمہ

سلطان محمد شہاب الدین غوری ہندوستان میں اسلامی حکومت کا بانی تھا اس نے شروع سے ہندوستان میں حکومت قائم کرنے کا خواب دیکھا تھا۔ (11) سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتیؒ نے اپنی تبلیغی حکمت عملی، رائے پتھورا کی ظالمانہ اور انسان دشمن روش کے خلاف میدان جنگ میں مسلمانوں کی عملی اعانت اور مقامی آبادی میں مسلم فاتح کیلئے خیر سگالی کی فضا تیار کر کے اس خواب کو حقیقت بنا دیا۔ 1206ء میں جب سلطان شہید ہوا اس وقت تقریباً سارے شمالی ہندوستان پر اسلامی پرچم لہرا رہا تھا اور وہ اپنے پیچھے قطب الدین ایبک، محمد بن بختیار خلجی، شمس الدین التمش، ناصر الدین قباچہ اور متعدد دیگر افسران کا ایسا شاندار گروہ چھوڑ گیا جنہوں نے سلطان کے مشن کو جاری رکھتے ہوئے ہندوستان پر مسلم اقتدار کی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کر دی۔ (12) سید ابوالحسن ندوی کے نزدیک ''ہندوستان کی فتح کا سہرا سکندر اسلام محمود غزنوی کے سر ہے اور مستحکم اور مستقل اسلامی سلطنت کے قیام کی سعادت سلطان شہاب الدین محمد غوری کے حصہ میں آئی''۔ (13) یہاں یہ امر تعجب انگیز ہے کہ گیارہویں صدی عیسوی میں ہند کی راجدھانی پر متمکن ہونے والا پہلا خوش نصیب سلطان قطب الدین ایبک بھی خواجہ معین چشتی اجمیریؒ کی نظر کیمیا اثر سے فیضیاب ایک غلام تھا جس کے ساتھ ہی برصغیر میں مسلمانوں کے جاہ و جلال کا وہ سلسلہ شروع ہوا جس کا آخری سرا سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر سے جا ملتا ہے۔

سلطان غیاث الدین بلبن ایک ترک امیر زادہ تھا چنگیز خانی حملے میں گرفتار ہوا، بغداد میں بطور ایک غلام فروخت کے لئے پیش کیا گیا تو وہاں کے ایک بزرگ حضرت جمال الدین بصریؒ نے اسے خریدا اور تربیت کی۔ وہ کہتا تھا کہ نبوت کے بعد خلق خدا کی خدمت کا سب سے عمدہ ذریعہ بادشاہت ہے (14) خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ سے خاص نسبت و ارادت رکھتا تھا اہل اللہ کی صحبت کیمیا اثر کا نتیجہ تھا کہ اس نے اسلامی سلطنت کو نہایت تدبر اور دور اندیشی کے ساتھ سنگین اندرونی خلفشار سے نجات دلائی اور اپنے حسن انتظام سے امن عامہ کے قیام، ریاستی استحکام، خارجی حملہ آوروں سے بچاؤ اور عدل و انصاف کی فراہمی کو یقینی بنا دیا۔ وہ ایک متدین اور منصف مزاج بادشاہ تھا وہ باقاعدہ نماز پڑھتا، روزے رکھتا، رات کو اٹھ کر تہجد ادا کرتا اور سفر و حضر کی حالت میں بھی اپنے اوراد و وظائف جاری رکھتا۔ ہمیشہ باوضو رہتا، اس کے کھانے پر علماء و مشائخ مدعو ہوتے اور طعام کے وقت مسائل دینی پر بحث ہوتی، نماز جمعہ کے بعد وہ سارے کوکبہ شاہی کے ساتھ مولانا برہان الدین بلخیؒ اور دوسرے علماء کے مکان پر جاتا، اس نے اپنے چالیس سالہ زمانہ اقتدار میں ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بنیادیں مستحکم کرنے میں اہم کردار

ادا کیا۔(15)

محمد بن بختیار خلجی اپنے زمانے کا من چلا جرنیل تھا جس نے بہار اور بنگال کے وسیع علاقے اسلامی حکومت میں شامل کیے۔ بنگال کی راجدھانی اس نے فقط اٹھارہ سواروں کی مدد سے فتح کی وہ بنگال کے معروف بزرگ حضرت عطاء اللہ کے دامن کرم سے وابستہ تھا جن کا مزار دیوکوٹ میں آج بھی مرجع خلائق ہے۔ 1246ء میں امراء نے ناصر الدین محمود کو منتخب کیا جو ایک درویش طبع بادشاہ تھا حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ اور خواجہ فرید الدین گنج شکرؒ جیسے اکابر صوفیاء کے فیض صحبت ونسبت نے اسے تخت شاہی کے ساتھ بلند روحانی مقام عطا کیا تھا سرکاری خزانے کو ہاتھ نہ لگاتا اور قرآن شریف لکھ کر روزی کماتا۔ اس کی زندگی اولیاء وصلحا کے نمونے پر تھی۔ دربار عام کے وقت وہ شاہی لباس زیب تن کر لیتا اور اس کے بعد خلوت میں جا کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے رہتا۔

معاصرانہ تاریخوں سے بخوبی نظر آتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ دربار شاہی کے مقابلے میں دوسری بارگاہ تھی جہاں عوام و امراء کسی خوف حکومت سے نہیں بلکہ ارادت وعقیدت کے جذبات سے متاثر ہو کر سر جھکاتے تھے۔ بقول شیخ محمد اکرام خلجی خاندان کے زمانے میں اسلامی حکومت سارے ہندوستان میں قائم ہوگئی تھی اس کے علاوہ مبلغین اور مشائخ خطہ پاک و ہند کے کونے کونے میں پہنچ چکے تھے اور وہ عمل شروع ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آج اس سرزمین کی آبادی کا ایک بڑا حصہ مسلمان ہے۔ علاء الدین خلجی ایک منتظم بادشاہ تھا اس کی فتوحات سے اسلامی حکومت کو وسعت واستحکام نصیب ہوا وہ شیخ بہاؤ الدین زکریاؒ کے پوتے حضرت شیخ رکن الدین کا معتقد تھا اور حضرت سلطان المشائخ سے بھی حسن ارادت رکھتا تھا صوفیا کی صحبت نے اس کی شخصیت کی تہذیب وتشکیل میں نمایاں کردار ادا کیا تھا جس کے عوام الناس پر نہایت مثبت اثرات مرتب ہوئے۔ حضرت چراغ دہلیؒ کے ملفوظات سے پتا چلتا ہے کہ علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد عوام الناس نے اسے ولی کا درجہ دے دیا اور اس کی قبر پر جا کر دھاگے باندھتے اور مرادیں پاتے۔(16)

خواجہ سید خاوند محمود المعروف بہ حضرت ایشاںؒ (1562ء۔1642ء) کو جلال الدین اکبر، جہانگیر وشاہجہاں کے ہاں عظیم اثر ورسوخ حاصل تھا۔ یہاں تک کہ شاہی بیگمات اور مستورات آپ سے پردہ نہ کرتی تھیں۔ مغل بادشاہوں کی نقشبندی، عطاری اور احراری خواجہ زادوں کے ساتھ غیر معمولی عقیدت کے علاوہ رشتہ داریاں بھی قائم تھیں۔ انہوں نے کابل میں دو سال کے قیام کے دوران ایک تبلیغی جماعت تیار کی اور مبلغین کو آپ نے اپنے حلقے میں رکھ کر پوری طرح تربیت دی پھر اشاعت دین اسلام کے لئے روم، شام، عراق، وسط ایشیا اور شمالی کشمیر خاص کر لداخ، گلگت اور تبت کے ممالک کو روانہ کیا۔(17)

بلوچستان میں اشاعت اسلام کا کام حضرت بہاء الدین زکریاؒ کے خلیفہ شیخ حسن افغانیؒ (م 689ھ) شیخ یحییٰ کبیر المعروف شیخ علی لاغر، قادری بزرگ سید شادی بن سید در جمال بخاریؒ اور حضرت سلطان باہوؒ کے خلفا نے انجام دیا۔ سرزمین بلوچستان میں صوفیا نے اپنے زہد و تقویٰ سے نہ صرف غیر مسلمانوں کے دلوں کو مسخر کیا بلکہ اسلام کی صحیح روح لوگوں کے دلوں میں پھونک دی اور اپنی تبلیغی واصلاحی مساعی سے انہیں باہمی اخوت ومحبت کے لازوال رشتوں میں منسلک کر دیا۔(18)

اولیاء کرام کے مسلم معاشرہ پر اثرات کا اندازہ برہانپور کے فاروقی سلاطین کے عقائد واطوار اور اعمال وکردار سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے حضرت برہان الدین غریبؒ کے نام سے معنون اور ان کی دعاؤں سے آباد ہونے والے شہر برہان پور کو میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اولیا خیز شہر سے موسوم کیا ہے۔(19) بانی سلطنت سے لے کر خاتم سلطنت تک اس سلسلہ کے تمام بادشاہ راسخ العقیدہ سنی ہونے کے ساتھ ساتھ خود بھی عالم وفاضل، درویش دوست اور صوفیانہ ذوق سے بہرہ ور تھے اور علماء وصوفیاء کی سرپرستی اور معارف نوازی میں ایک دوسرے پر تفوق رکھتے تھے نیز ہر بادشاہ اپنے زمانے کے کسی نہ کسی خدا رسیدہ بزرگ کی بیعت وخلافت سے شرف یاب تھا۔ نصیر خان فاروقی حضرت زین الدین داؤد شیرازی، عینا عادل خان حضرت شاہ بھکاری، مبارک شاہ فاروقی، حضرت شاہ شاہباز، اعظم ہمایوں فاروقی، حضرت شاہ باجن، محمد شاہ فاروقی، حضرت شاہ آباد ابراہیم، راجہ علی خان عادل شاہ فاروقی حضرت شیخ عبد الرحیم کپر دنجیؒ سے مرید تھا۔

صوفیاء کرام کے فیض صحبت سے محروم ہوس اقتدار میں مبتلا ناعاقبت اندیش حکمرانوں نے برصغیر میں مسلم اقتدار کے مختلف ادوار میں صوفیاء وعلماء حق کی مسلم معاشرہ کی تعمیر وترقی کی کوششوں کو کس قدر نقصان پہنچایا اس کی ایک جھلک ہمیں نامور مورخ ودانشور پیر حسام الدین راشدی کے درج ذیل بیان میں نظر آتی ہے:۔

"914ء سے 1000ء تک ایک صدی سندھ کے لئے قیامت صغریٰ سے کم نہ تھی کہ جس میں سندھ علمی ومادی حیثیت سے بالکل تباہ وبرباد ہوگیا ان ہنگامہ خیزیوں میں سندھ کا وہ نقصان عظیم جس کی تلافی ہزاروں گردشوں کے بعد آج تک زمانہ نہ کر سکا یہ تھا کہ علم وادب کی وہ

بساطیں جو صدیوں سے بچھی ہوئی تھیں الٹ گئیں، روحانی فیض وارشاد کی وہ مسندیں جن سے عرفان وتصوف کے چشمے ابلتے تھے خالی ہوگئیں اور وہ خانقاہیں جن میں معرفت اور عظمت الہی کے نغمے گونجتے تھے ویران ہوگئیں مدرسے جن سے علم وفضل کے دریا بہتے تھے سونے ہوگئے ''۔(20)

مسلم فاتحین کے زیر اقتدار اور صوفیاء کے زیر اثر تشکیل پذیر مسلم معاشرہ میں ہندوؤں اور دیگر غیر مسلم افراد واقوام کے ساتھ مسلمانوں کے باہمی اختلاط وتعلقات کی نوعیت، سماجی تعاون واشتراک کی حدود وقیود اور شہری حقوق کے مسائل پر ہونے والے فقہی مباحث کا سراغ ہمیں سب سے پہلے برنی کی کتاب صحیفہ نور محمدی میں ملتا ہے۔(21) سلطان التتمش کے روبرو معتبر ترین اور راسخ الاعتقاد علماء کا خیال تھا کہ ہندوؤں سے فقط خراج وجزیہ پر اکتفا نہ کی جائے بلکہ اسلام قبول نہ کرنے والے ہندو کے قتل کا حکم جاری کیا جائے اگر یہ ممکن نہیں تو کم ازکم اتنا تو ہو کہ ہندو کی عزت آپ کے دربار میں نہ ہو، نہ ہی ہندوؤں کو یہ اجازت ہو کہ وہ مسلمانوں کے درمیان رہیں اور دارالسلطنت اور مسلمانوں کے قصبوں میں اس امر کا اہتمام ہو کہ وہاں کفر وبت پرستی کے احکام جاری نہ ہوں صوفیاء کے اعتدال پسند اور رواداری نہ مسلک کے پیرو درویش صفت سلطان نے یہ تینوں شرائط قبول کر لیں اور ہندوؤں کے قتل کا حکم جاری نہ ہوا۔

مسلم حکمرانوں اور معاشرہ پر صوفیا اور علماء حق کی گرفت اور ایوان اقتدار میں ان کی اہمیت وطاقت کا اندازہ سہروردی سلسلہ کے نامور چوٹی حضرت سید نورالدین مبارک غزنویؒ کی ان پرزور نصائح بلکہ ہدایات سے لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے سلطان التتمش کو بر سر دربار اس کے فرائض منصبی کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں۔(22) ''بادشاہوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلام کے لیے 'دین پناہ' بنیں۔ اور اس کے چار لوازمات ہیں۔ اول یہ کہ اسلام کی محبت کو برقرار رکھیں اور اپنے زور وقوت کو اعلائے کلمۃ الحق اور شعار اسلام کو بلند کرنے اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں صرف کریں دوسرے ان پر فرض ہے کہ اہل اسلام اور اسلامی شہروں اور قصبوں کے درمیان فسق وفجور اور گناہ ومعصیت کو قہر وسطوت کے ذریعہ بالکل ختم کر دیں۔ تیسرے یہ کہ احکام دین محمدی کے اجراء کے لیے صرف اہل تقوی، زاہد، خداترس اور دیندار لوگ مقرر کیے جائیں اور بددیانت، دنیاپرست لوگوں کے ہاتھ میں اختیار نہ دیا جائے۔ چوتھی ضرورت عدل وانصاف کی ہے۔ بادشاہ کی نجات اسی میں ہے کہ عدل وانصاف میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کرے اور ظلم وتعدی اس کے ملک میں بالکل نہ ہو''۔

مسلم معاشرہ کی تشکیل اور صوفیاء کی حکمت عملی

صوفیاء نے تبلیغی سرگرمیوں کے لئے سیاسی، ثقافتی معاشی اور جغرافیائی اعتبار سے انتہائی اہمیت کے حامل جن خطوں کا انتخاب کیا ان کے مطالعہ سے صوفیاء کرام کے اعلی سیاسی تدبر، روحانی بصیرت، انتظامی صلاحیت اور خداداد فہم وفراست کا سراغ ملتا ہے۔ مشائخ چشت کے قائم کردہ خانقاہی نظام تعلیم وتربیت کے اندر دور دراز کے علاقوں میں عوام الناس سے رابطہ اور افراد معاشرہ کی تربیت کے لئے اعلی صفات و کمالات کے حامل روحانی خلفاء اور تلامذہ کی تقرری کے طریق کار کو دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہند میں مسلمانوں کے سیاسی و روحانی غلبہ اور ایک اسلامی ریاست کے قیام کا نصب العین تاریخ کے کسی بھی مرحلہ پر ان کی نگاہوں سے اوجھل نہیں رہا۔(23)

ہندو اچھوت ذاتوں کے ''رہنما امبیدکر'' نے 1942ء میں لکھا کہ'' جدید ہندوستان کی تاریخ کی یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ ہندوؤں کی حالیہ سیاسیات میں مسلمان کبھی ضم نہیں ہوئے اور اپنے مقام پر ایک متوازی راستہ اختیار کیا۔ خود کو جدا رکھنے کے معاملہ میں مسلمان کسی پراسرار جذبے سے متاثر تھے جس کی کنہ وہ نہ پاسکے، ایک پوشیدہ ہاتھ ان کی رہنمائی کر رہا تھا جسے وہ دیکھ نہیں سکتے تھے لیکن جو انہیں ہندوؤں سے الگ رہنے کی برابر ہدایت کر رہا تھا یہ پراسرار جذبہ اور یہ پوشیدہ ہاتھ ان کے پہلے سے مقررہ مقسوم یعنی 'پاکستان' کے سوا اور کچھ نہ تھا جس سے وہ واقف تو نہ تھے لیکن وہ ان کے بطون میں مسلسل کام کر رہا تھا''۔(24)

پاکستان کے قیام کی ایک ابتدائی جھلک ہمیں چشتیہ سلسلے کے عظیم بزرگ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی ان کاوشوں میں نظر آتی ہے جو آپ نے اجودھن کو پاک پتن بنا کر انجام دیں اسی طرح بنگال کی فتح کے سو سال بعد صوفیاء کے مختلف سلسلوں کی مدد سے جو ملک کے کونے کونے میں پھیلے گئے تھے اس سرزمین میں اخلاقی اور روحانی غلبے کا سلسلہ شروع ہوا مسلمان اولیاء نے اخلاقی اور روحانی فتح کے عمل کو مکمل کیا اور اس مقصد کے لئے ہندو دھرم اور بدھ مت کے پرانے استھانوں پر جو اب برباد ہو چکے تھے ایک پالیسی کے مطابق درسگاہیں اور خانقاہیں قائم کیں۔(25) سٹیپلٹن لکھتے ہیں: ''اس زمانے میں بنگال میں اولیاء اور نمازیوں کی اتنی بڑی تعداد آگئی تھی کہ خیال ہوتا ہے کہ یہ صورتحال ضرور سلاطین دہلی کی بنگال کے متعلق کسی خاص سوچی ہوئی پالیسی کا نتیجہ تھی''۔(26)

تاریخ اس امر پر شاہد ہے کہ سرزمین ہند میں ان پاکباز ہستیوں کی آمد ایک عظیم سماجی روحانی وسیاسی انقلاب کا پیش خیمہ بن گئی(27)

ذات پات رنگ ونسل معاشی جبرواستحصال اور سماجی ناانصافیوں کے شکار روحانی طور پر قلاش معاشرے میں صوفیاء کرام مساوات و ہمدردی اور انسانی شرف وعزت پر مبنی اسلامی فلسفہ حیات کی روشنی لے کر نمودار ہوئے قرآنی فکر سے ان کا ذہن روشن اور عشق رسول ﷺ سے ان کی روح سرشار تھی ان کے سراپا میں جمال مصطفیٰ ﷺ صاف جھلکتا تھا یہی وجہ ہے کہ زمانے بھر کے ستائے ہوئے غمزدہ پریشان حال افراد ان کی مجلس میں ایک گونہ سکون واپنائیت محسوس کرتے تھے یہاں آنے والوں سے حسب نسب اور جاہ ومنصب پوچھنے کا چلن نہ تھا۔ خواجہ کا در سب کے لئے تھا، داتا کے فیض کے چشمے شاہ وگدا کے لئے عام تھے، سماجی ومعاشی اجارہ داریوں کا شائبہ تک یہاں موجود نہ تھا، ذات پات، رنگ و نسل اور مرتبہ وحشمت سے قطع نظر ان کی کٹیا میں جلنے والا دیپ سب کے قلوب کو یکساں منور کرتا تھا، خانقاہوں اور روحانی زاویوں میں ایک ہی زبان رائج تھی محبت کی زبان جسے سب سمجھتے اور جسے سب بولتے تھے ظلم واستبداد کے شکار اپنی ذات سے بیزار انسانوں کو ان کے قریب آ کر پہلی بار زندگی کا احساس ہوتا محبت وہمدردی کے چند جملے بھی ان کی زبان معجز بیان پر آ کر جادو اثر ہو جاتے، دلوں کی تسخیر کا فن وہ بہت خوب جانتے تھے۔ یہ خواجہ محبوب الٰہی کی چوکھٹ تھی جہاں شہنشاہ شرف باریابی کو ترستے اور فقراء مرادیں پاتے تھے شعور وآگہی کی ان تربیت گاہوں نے مردہ سیاسی ومذہبی نظام کی جڑیں ہلا کر رکھ دیں ان کے قائم کردہ فکری وتربیتی نظام کے سامنے باطل رسوم ورواج اور کہنہ روایات پر مبنی سماجی ڈھانچہ زمین پر آ رہا انہوں نے اسلام کی پاکیزہ تعلیمات کی روشنی میں اپنے اعلیٰ کردار وباطنی تصرفات کی بدولت مساوات، سماجی انصاف اور انسانی ہمدردی کے حوالے سے بہت جلد مقہور ومظلوم طبقات کو اپنے ساتھ ملا لیا۔

مسلمانوں کی ہندوستان میں آمد انسانی تاریخ کا ایک عظیم الشان واقعہ ہے۔(28) مسلمانوں کے ساتھ ہندوستان میں ایک نیا وبرتر تصور کائنات آیا اسلام کا یہ تصور کائنات برہمنیت کے تصور کائنات سے مختلف ہی نہیں متصادم بھی ہے۔ اسلام کا یہ تصور کائنات ذات پات اور چھوت چھات پر مبنی منجمد اور حصار بند ہندوستانی معاشرے کے لیے ایک بہت بڑا چیلنج اور ایک ہمہ گیر انقلاب کا پیش خیمہ ثابت ہوا تھا۔

قومی وعلاقائی زبانوں کی تشکیل

زبان خیالات کے اظہار کا وسیلہ اور کسی بھی قوم کی ثقافت کی پوری طرح آئینہ دار ہوتی ہے۔ صوفیائے کرام جو تبلیغ اسلام اور حق وصداقت کا درس دینے کے لیے پنجاب آئے انہوں نے عام لوگوں کے ساتھ رشد وہدایت کے لئے پنجابی کا ہی سہارا لیا حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ، حضرت بابا فریدؒ، حضرت بہاء الدین زکریاؒ وغیرہ نے اسی زبان کو اپنایا یہی وجہ ہے کہ پنجابی زبان کی ترویج وترقی اور قدیم ادب میں صوفیا کرام کا وافر حصہ رہا ہے۔(29) بابا فرید گنج شکر کے دوہوں سے یہ حقیقت آشکار ہے کہ ان کے ہاں شاعری مقصود بالذات نہیں بلکہ عوام کی تعلیم و تربیت کا ایک موثر وسیلہ ہے ان کے اولین مخاطب وہ لوگ ہیں جنہیں مسلمانوں کی آمد سے پہلے لکھنے پڑھنے کی اجازت نہ تھی بابا فرید نے دوہے کی صنف اظہار ہی میں خلق خدا کی تعلیم وتربیت کا آغاز کیا۔(30) متحدہ ہندوستان میں اردو مسلمانان ہند کے اتحاد واتفاق کی مقبول ترین زبان، ملی افکار کی ترویج کا ایک ذریعہ اور پاک وہند کے مسلمانوں میں اسلامی تعلیمات کی ترقی کا ایک بہت بڑا وسیلہ ہے۔(31)

تاریخی حقائق کا مطالعہ اس امر کی تصدیق کرتا ہے کہ ناعاقبت اندیش حکمرانوں کی بداعمالیوں اور سیاسی محاذ پر سنگین غلطیوں کے باوجود یہ ان قدسی صفات مذہبی رہنماؤں ہی کا صدقہ تھا کہ مغلیہ سلطنت کے خاتمہ اور نوآبادیاتی نظام کے بھرپور تسلط کے باوجود مسلمانوں کے قلوب سے اسلام اور سرکار دوعالم ﷺ کی عقیدت ومحبت ختم نہ ہو سکی۔ اس سلسلہ میں حضرت شیخ احمد سرہندی المعروف حضرت مجدد الف ثانی کی خدمات آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ آپ کے زمانے میں اسلامی شعائر اور شریعت محمدیہ لادینیت کا شکار ہو کر رہ گئے تھے۔ کتاب وسنت سے لاپرواہی برتی جاتی اسلام کے برعکس پندرہ مختلف مذاہب کے چند اصول مرتب کر کے ایک معجون مرکب کا نام دین الٰہی قرار دے دیا گیا ہر طرف بدعات ومنکرات اور الحاد ولادینیت کا دور دورہ تھا۔ سورج کی پرستش، آگ پانی گائے اور درخت کا احترام لازم قرار دے دیا گیا تھا۔ پیشانی پر قشقہ لگایا جاتا جینو پہنے جاتے آتشکدہ میں اگنی دیوتا کی پوجا ہوتی اس نئے دین نے اکبر کو امام وقت بنا دیا تھا۔(32) خود حضرت شیخ مجددؒ اپنے ایک مکتوب میں اس دور کے حالات کی عکاسی کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: ”اسلام کی غربت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کفار کھلم کھلا اسلام پر طعن اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں اور ہر ایک کوچہ وبازار میں نڈر ہو کر کفر کے احکام جاری کرتے ہیں اور اہل کفر کی تعریف کرتے ہیں اور مسلمان اسلام کے احکام جاری کرنے سے رکے ہوئے ہیں اور شرائع کے بجا لانے میں مذموم اور مطعون ہیں“۔(33)

آپ نے مغلیہ تاجدار اکبر اعظم کے ایجاد کردہ دین الٰہی اور ملا فیضی وابوالفضل جیسے درباری دانشوروں کے متحدہ قومیت کے نظریہ کے خلاف دین متین کی حقیقی تعلیمات اجاگر کر کے توحید ورسالت پر مبنی جداگانہ مسلم قومیت کے تصور کو فروغ دیا۔ جہانگیر کی مذہب دشمن پالیسیوں، مروجہ سماجی برائیوں اور جاہل وبے عمل علماء وصوفیا کے خلاف آپ نہایت مجددانہ شان سے میدان عمل میں آئے اور اپنے علم وفضل، اخلاص و

عمل، جرأت و بے باکی اور عشق رسول ﷺ کی بدولت تاریخ کے دھارے کا رخ بدل کر رکھ دیا۔ حضرت مجددؒ کی اولاد و احفاد اور خانوادہ مجددی کے مسترشدین و متبعین نے بھی تصوف وسلوک اور علوم ومعارف کے میدان میں بڑے کارنامے انجام دیئے۔ (34) مسلم ہندوستان میں پیدا ہونے والے روحانی بحران اور سماجی و سیاسی افراتفری کے دور میں شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ جنہوں نے قادری سلسلہ میں حضرت موسیٰ پاک شہید ملتانی اور نقشبندی سلسلہ میں حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے تصوف کی تعلیم وتربیت حاصل کی تھی، اپنی تصنیفات وتربیتی سرگرمیوں کے ذریعے مذہبی اقدار کو از سر نو مستحکم کرنے میں اہم خدمات انجام دیں۔ (35)

ہندوستان کے مسلم حکمران محی الدین اورنگ زیب عالمگیر کی شخصیت مسلم قوم پرستی کے احیاء کے نقطہ نظر سے ایک مثالی کردار اور عمل کی حامل تھی وہ دینی شعور سے بہرہ ور ایک پرجوش مبلغ، مصلح، مجاہد اور نقشبندی مجددی سلسلہ میں حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ سے شرف بیعت کے باوصف تعلیمات اسلامی کا حقیقی مظہر تھے۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال نے ان کو مسلم ترکش کا آخری تیر قرار دیتے ہوئے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے۔ (36) اورنگ زیب کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کے وارثوں کی نااہلی باہمی رسہ کشی اور درباری ریشہ دوانیوں کے باعث اقتدار پر مسلمانوں کی گرفت کمزور ہوتی گئی۔ سلطنت کے حصے بخرے ہوگئے ولندیزی، پرتگالی اور برطانوی اقوام کی دراندازی اور ہندو قومیت کے احیاء کی تحریک نے پورے سماج کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور فقط ایک صدی کے اندر مرکز وصوبوں سے مسلمانوں کا اقتدار ختم ہو کر پورا ہندوستان غیر ملکی حکمرانوں کی غلامی میں چلا گیا۔

18 ویں صدی کے آغاز پر اورنگ زیب عالمگیر کی وفات سے اخلاقی وسماجی زوال تیز تر ہوگیا۔ مسلم سیاسی مرکز کی کمزوری، خود مختار ریاستوں کے قیام، سراج الدولہ کی شکست، برطانوی استعمار کی پیش قدمی، جاٹوں، مرہٹوں اور دیگر انتہاء پسند ہندو اقوام کی یورش، ہندو احیاء پرستی کی تحریکوں کے آغاز اور خود مسلم معاشرہ میں مسلم عقائد واقدار کے اضمحلال، پنجاب میں سکھوں کی بیداری، روزگار کے مواقع اور ذرائع پیداوار پر قابض مسلم امراء واشرافیہ کی پسپائی جیسے مظاہر اس تیز رفتار عمل کی نشاندہی کرتے ہیں سیاسی معاشی، اخلاقی اور روحانی اعتبار سے مسلم معاشرہ کو نئے تقاضوں کی روشنی میں وسیع تر قومی مفاد اور ملی مصالح کے تحت از سر نو دینی بنیادوں پر منضبط کرنا ایسے اہداف تھے جنہیں طریقت کے مختلف سلاسل سے وابستہ جید صوفیاء نے اپنے اپنے علاقوں اور انفرادی دائروں میں بحسن وخوبی انجام دیا۔

آزمائش وابتلا کے اس دور میں مسلم معاشرہ کے سدھار، جداگانہ مسلم تشخص کے تحفظ اور غیر مسلم اقوام کے تسلط سے نجات کے لیے قدرت نے جن اولوالعزم شخصیات کا انتخاب کیا ان میں چشتی، قادری ونقشبندی سلسلہ کے حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے فرزندان ارجمند، حضرت مظہر جان جاناںؒ، شاہ غلام علی مجددیؒ، قاضی ثناء اللہ پانی پتی، حافظ جمال اللہ رامپوریؒ، چشتی نظامی سلسلہ کے حضرت شاہ فخر الدین چشتی دہلوی اور ان کے خلفاء خاص کر حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ، حافظ جمال اللہ ملتانی، خواجہ عبید اللہ ملتانی سندھ میں قادری سلسلہ کے روحانی پیشوا پیران پگارہ، سرحد میں اخوندزادہ عبدالغفور، پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، حاجی صاحب ترنگ زئی وغیرہ شامل ہیں۔

مذہبی فکر نو کی ضروریات میں شاہ ولی اللہ کا جو حصہ ہے وہ ایک طرف اسلامی فقہ کو نظم وضبط حدیث کے تحت لانا تھا اور دوسری جانب مختلف صوفی نظاموں کے بچے کھچے حصوں کو مروجہ راسخ اسلام میں مکمل طور پر جذب کرنا تھا۔ انہوں نے اپنے دور میں اسلام کے روحانی انحطاط کو روکنے کے لئے شیخ احمد سرہندی کی شروع کردہ مہم کی تکمیل کردی اور متصوفانہ روحانی ورثہ کے چشموں کو روایتی اسلام کی رود بار میں داخل کردیا۔ (37) یہ صحیح ہے کہ اس سے پہلے قاضی شہاب الدین دولت آبادی کلام الٰہی کا فارسی ترجمہ کر چکے تھے لیکن اس کی زیادہ حیثیت تحشیہ نگاری کی تھی۔ شاہ ولی اللہ نے ساتھ ہی ساتھ یہ تحریک چلائی کہ عام آدمی بھی ذہنی سطح پر قرآن پاک کی قدر وتوصیف کر سکے چنانچہ انہوں نے 1743ء میں ایک مدرسہ قائم کیا جہاں قرآن وحدیث کی ان کی اپنی نگرانی میں تعلیم ہونے لگی انہوں نے ترجمہ قرآن کے مسئلہ پر ایک مقالہ سپرد قلم کیا اور ایک کتاب علم تفسیر میں بھی تصنیف کی۔ اس دوران میں وہ ایک ایسے نظریہ کے ڈھانچہ اور ساخت کی فکر میں تھے جو عام مسلم معاشرے بالخصوص ہندوستانی مسلم معاشرے کا تحفظ کر سکے۔ انہوں نے احمد شاہ ابدالی، نادر شاہ درانی اور دیگر بااثر مسلم امراء کو اس امر کی دعوت دی کہ وہ مرہٹوں اور جاٹوں کی قوت کا صفایا کرنے کے لئے ہندوستان پر منظم حملے کریں۔ (38)

19 ویں صدی میں صوفیاء کے فکری وتربیتی مراکز

انیسویں صدی کے وسط میں سیاسی اخلاقی اور معاشی طور پر زوال پذیر سماج میں شاہی عشرت کدوں میں داد عیش دیتے حکمرانوں، عوام کے استحصال میں مصروف ساہوکاروں اور سرکاری عیاشیوں کے لیے عوام پر بھاری ٹیکسوں کے ذریعے رقوم مہیا کرنے والے کارندوں کی موجودگی میں

فقط اور فقط علماء حق اور انسان دوستی سے سرشار مشائخ عظام ہی کا طبقہ تھا جس نے اپنی شاندار روایات کو برقرار رکھتے ہوئے مظلوم طبقوں کی حمایت سے نوآبادیاتی نظام کے خلاف مسلح جدوجہد کو مذہبی تقدس عطا کیا اور اپنے خون کا نذرانہ پیش کر کے ہماری سیاسی و ملی تاریخ میں ایک تابناک باب کا اضافہ کیا۔

نقشبندی سلسلہ کے ممتاز بزرگ حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ (1195ھ) ظاہری اور باطنی کمالات سے مالا مال اور یگانہ روزگار تھے جس علم و فن کی جانب توجہ فرمائی اسی کے امام بن کر رہے۔ ریختہ کے نقاش اول قرار پائے اور دبستان دہلی کے امام کہلائے۔(39) آپ کی خانقاہ برصغیر میں مسلمانوں کی عظیم دینی و روحانی تربیت گاہ اور حریت پسندوں کا مرکز تھی۔ آپ کے نامور خلیفہ حضرت شاہ غلام علی مجددی پاک و ہند کے اولیاء کبار میں شامل ہوتے ہیں۔ آپ اسلاف کی مقدس یادگار تھے سارا وقت ذکر الٰہی اور تربیت سالکین کے لئے وقف تھا۔ مرزا مظہر جان جاناںؒ کی طرح شاہ غلام علی دہلویؒ کے زمانے میں بھی خانقاہ مظہریہ کو رشد و ہدایت کے لحاظ سے مرکزی حیثیت حاصل تھی۔(40) متحدہ ہندوستان کا گوشہ گوشہ آپ کے انوار سے جگمگا رہا تھا۔ اگر علمی لحاظ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اس وقت پوری دنیا میں اہل علم کے مرجع تھے تو سلوک و تصوف سے دلچسپی رکھنے والوں کی منزل مقصود شاہ غلام علی رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے آپ نے خانقاہ مظہریہ سے فیض کا ایسا دریا بہایا جس نے ایک دنیا کو سیراب کر کے رکھ دیا۔(41)

دوقومی نظریے کے داعی اور ممتاز مصلح سرسید احمد خان اور آپ کا خانوادہ شاہ غلام علیؒ ہی سے فیض یاب تھے۔ سرسید احمد خان نے آپ کی مرجعیت کے بارے میں اپنا مشاہدہ یوں قلمبند کیا ہے۔ ”آپ کی ذات فیض آیات سے تمام جہان میں فیض پھیلا اور ملکوں ملکوں کے لوگوں نے ان کی بیعت اختیار کی۔ میں نے حضرت کی خانقاہ میں اپنی آنکھ سے روم اور شام اور بغداد اور مصر اور چین اور حبش کے لوگوں کو دیکھا ہے کہ حاضر ہو کر بیعت کی اور خدمات خانقاہ کو سعادت ابدی سمجھے اور قریب قریب کے شہروں کا مثل ہندوستان اور پنجاب اور افغانستان کا تو کچھ ذکر نہیں کہ ٹڈی دل کی طرح امنڈتے تھے“۔(42)

آپ کی خانقاہ کے ایک اور عینی شاہد گواہی دیتے ہیں کہ ”خالص اعتقاد رکھنے والے اور خاص مخلص لوگوں کا بے شمار مجمع ہے یعنی لوگ سمرقند، بخارا، غزنی، تاشقند، حصار، قندھار، کابل، پشاور، ملتان، کشمیر، لاہور، سرہند، امروہہ، سنبھل، بریلی، رامپور، لکھنو، جائس بہرائچ، گورکھپور، عظیم آباد، ڈھاکہ، حیدرآباد و پونا وغیرہ، دیار و امصار سے لوگ حق جل وعلا کی طلب میں اپنے اپنے وطن کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آئے ہوئے ہیں“۔(43)

بعدازاں شاہ ابوسعید مجددی، شاہ احمد سعید مجددی، شاہ عبدالغنی، شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی، شاہ حافظ جمال اللہ رامپوری، مولانا ارشاد حسین رامپوری، حضرت غلام محی الدین قصوری، خواجہ نور محمد تیراہیؒ اور خواجہ فقیر محمد چوراہی انیسویں صدی کے وہ بزرگ صوفیاء ہیں جنہوں نے اپنے فیض صحبت سے تحریک پاکستان میں بھرپور حصہ لینے والے اکابر صوفیا کی وہ کھیپ تیار کر دی جن پر ملت اسلامیہ اور مشائخ طریقت ہمیشہ فخر کریں گے۔

چشتی، نظامی سلسلہ کے معروف صوفی بزرگ حضرت خواجہ فخر الدین دہلویؒ سے تربیت پا کر قبلہ عالم خواجہ نور محمد مہارویؒ پنجاب کے دور افتادہ قصبہ مہار شریف (چشتیاں) پہنچ کر مسند ارشاد بچھائی اور بہت جلد آپؒ کی خانقاہ زیارت گاہ خاص و عام بن گئی۔ ہزاروں عقیدت مند حاضر ہوتے۔ جب آپؒ پاکپتن شریف جاتے تو پانچ پانچ سو درویش آپ کے ساتھ ہوتے تھے۔ آپؒ کی صحبت اور تعلیم میں بہت زیادہ کشش اور تاثیر تھی۔(44)

اس سلسلہ میں آپؒ کے مرید حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی کا بیان ہے ”عجیب تاثیر بود کہ دست ایشاں گرفتے او را تاثیر شدے“ یعنی جو آپ کا دست مبارک پکڑتا وہ روحانی اثرات سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ ”قبلہ عالم راقدس سرہ از صحبت دنیاداراں بسیار“ آپ دنیاداروں پر زیادہ مہربانی فرماتے تھے تا کہ ان کی اصلاح زیادہ ہو۔ حضرت شاہ سلیمان تونسویؒ کے نزدیک مسلمانوں کے تمام مصائب و آلام، ابتلاء و پریشانی اور دکھ درد کا علاج درستی اعمال، اصلاح احوال اور اتباع رسول ﷺ میں تھا۔ اس لئے آپؒ نے اپنی کوششوں کا مرکز درستی اعمال اور اتباع رسول ﷺ کو قرار دیا۔ انہوں نے سید احمد بریلوی کی تحریک کو ناکام ہوتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس لیے انہوں نے اس تحریک سے قطع نظر حوادث کا مقابلہ کرنے کے لئے اپنا نیا پروگرام بنایا۔ ان کی کوششوں کا محور مختلف تھا۔ انہوں نے مسلمانوں کی قومی زندگی میں ان صلاحیتوں کو ابھارنے اور بیدار کرنے کی کوشش کی جن میں مستقبل کی تشکیل کا سامان موجود تھا۔ حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمانؒ تونسوی کی جلائی ہوئی شمع ہدایت سے ہزاروں نفوس فیض یاب ہوئے۔ سنگھڑ اور تونسہ شریف کا غیر آباد اور غیر معروف علاقہ علم و عرفان کا مرکز بن گیا جہاں سے ہزاروں نفوس فیض یاب ہوئے اور یہ

عقیدت مند تربیت پا کر ہندو پاک کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئے۔(45)

سیال، گولڑہ، جلال پور، حیدر آباد شیخانوالی اور راجپوتانہ میں چشتیہ نظامیہ سلسلہ کی خانقاہیں قائم ہو گئیں اور ایک بار پھر پرانی آواز پنجاب، ممالک متحدہ راجپوتانہ سے گزر کر سراندیپ اور عدن تک جا پہنچی۔ افغانستان بلوچستان اور ترکستان سب اس نقارہ کی آواز سے چونک اٹھے اور ہزاروں طالبان حق سینکڑوں کوس طے کر کے تحصیل فیض کے واسطے سنگھڑ پہنچے۔ آپ کے سجادہ نشین خواجہ اللہ بخش تونسویؒ علماء کی طرف زیادہ توجہ فرماتے تھے۔ آپ کا خیال تھا کہ علماء کی اصلاح سے اسلامی معاشرہ خود بخود راست پر آ جائے گا۔(46)

اس دور میں صوبہ سرحد میں خواجہ محمد شعیب شہید تورڈھیری (1238ھ) اخوند صاحب سوات (م 1295ھ) حضرت نجم الدین ہڈے ملا (م 1319ھ) حضرت عبدالوہاب پیر صاحب مانکی شریف (م 1322ھ) اور حاجی صاحب ترنگ زئی (م 1356ھ) جیسی روحانی شخصیات نے عملی طور پر پہلے سکھوں اور پھر انگریزوں کے خلاف خود اور اپنے خلفا کے ساتھ مل کر نہ صرف جہاد کیا بلکہ ضلع ہزارہ کی اہم شخصیت سید اکبر شاہ ستھانوی کی سربراہی میں شرعی حکومت قائم کی۔ اخوندزادہ عبدالغفور صاحب سوات کے خلیفہ عزت الزماں حضرت شیخ عبدالوہاب نے پورے ایک سو برس تک بدعت، بدعقیدگی اور دینی غلو کے خلاف جہاد کرتے ہوئے مخلوق خدا کو اتحاد و اتفاق کی نعمت سے مالا مال کر دیا اور اپنے مرشد کی زیر قیادت جنگ امبیلہ (1865ء) میں برطانوی سامراج کے خلاف مسلح مزاحمت کے ذریعے جرات وعزیمت کی نئی تاریخ رقم کی۔(47)

انیسویں صدی اپنے ساتھ برصغیر سے مسلم اقتدار کے مکمل خاتمہ، ہندو قوم پرستی کے احیاء، مسلمانوں میں شدید فکری واخلاقی انتشار، مسلم معاشرے کے جاگیردارانہ ڈھانچہ کی مکمل شکست وریخت، استمراری بندوبست (1893ء) کے نتیجہ میں مسلم مزارعین کا اقتصادی وثقافتی استحصال، سماجی ودینی حلقوں میں شدید فکری واخلاقی انتشار جیسی آفات لے کر آئی تھی۔ 1835ء میں فارسی کو ایوان حکومت سے دیس نکالا گیا اور اس کی جگہ انگریزی سرکاری زبان قرار پائی جس نے مسلمانوں میں خواندگی کی سطح اور سرکاری ملازمتوں کے لیے درکار اہلیت واستعداد کا معیار اور مواقع یکدم افسوسناک حد تک کم کر دیئے۔

1857ء کی جنگ آزادی میں ہزاروں وارثان منبر ومحراب کا شوق شہادت سے سرشار، سب کچھ تج کر برطانوی استعمار کے خلاف دینی وسیاسی ورثہ کے تحفظ کے لیے میدان جہاد میں کود پڑنا ہماری تاریخ کا کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ اس جنگ آزادی میں مختلف سیاسی وانتظامی عوامل کی بناء پر ناکامی کے بعد انگریزوں نے محض مسلمانوں کو اپنے جذبہ انتقام کا نشانہ بنایا۔ دینی شخصیات کا قتل، مسلم زعماء کی گرفتاریاں، متوسط طبقہ کی معاشی بدحالی مسلم تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کی بربادی اور سیاسی سطح پر مسلم اثر ورسوخ کا خاتمہ قوم کا مقدر بن گیا۔ انگریز بہادر کی آمد تک برصغیر کے اہل سنت کے درمیان اعتقادیات ونظریات کے اتحاد واتفاق کی فضا قائم تھی۔ علم وہنر کو زوال ہوا تو سینکڑوں اعتقادی واقتصادی مسائل کھڑے ہو گئے وحدت امہ پارہ پارہ ہونے لگی دین سے بے بہرہ خود پسند افراد چاپلوسی وخوشامد کے راستے قوم کے خیر خواہ بن بیٹھے۔ مفادات ملی کے مسائل اب مساجد وخانقاہ کی بجائے سرکاری دفاتر میں بیٹھ کر طے ہونے لگے۔ انگریزی درس گاہوں کی زینت بڑھنے لگی اور حریت فکر کے قدیم سرچشمے خشک ہوتے چلے گئے۔

انگریزوں کے مسلم کش اقدامات اور پالیسیوں، ہندوؤں میں آریا سماج کی تبلیغ اور شدھ دھرم کی تحریک نے سب سے زیادہ زہر گھولا جس کے آثار، راجہ رام موہن رائے کی آزاد خیال تحریک، برہمو سماج، پرارتھنا سماج، تھیوسوفیکل سوسائٹی، 1885ء میں نیشنل انڈین کانگریس کے قیام تقسیم بنگال اور اردو زبان کی مخالفت، اور 20ویں صدی میں ہندو مہا سبھا (1928ء) شدھی اور سنگھٹن کے قیام اور بعد ازاں برصغیر میں جابجا پرتشدد ہندو مسلم فسادات کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

یہ وہ حالات تھے جن میں امام احمد رضا خان ؒ (1856۔1921) نے ایک دور رس، معاملہ فہم اور صاحب بصیرت قائد کے انداز میں 1897ء میں مسلمانان ہند پر زور دیا کہ وہ اپنے جداگانہ تشخص کو ہر حالت میں برقرار رکھیں۔ آپ نے زوال مسلم کا سبب مسلمانوں کی دینی تعلیمات سے بیگانگی، معاشی عدم توازن اور سماجی برائیوں کو قرار دیا۔ مسلم معاشرے سے بددلی، مایوسی، کم ہمتی، مفلسی کج روی اور عملی بے راہروی کے انسداد کے لیے طے پایا کہ مسلمانوں میں صحیح اسلامی روح پیدا کی جائے جوان کے قلوب میں عشق رسول ﷺ کو مسلمانوں کے دل و دماغ سے محو کر دینے والی ہر نام نہاد اسلامی تحریک، تنظیم، تحریر اور تقریر کا اپنی تیغ قلم سے قلع قمع کیا۔ غیر جانبدار مورخ برصغیر کے معروضی حالات کی روشنی میں مسلمانان برصغیر کی فلاح و بہبود کے لیے امام احمد رضا کی جانب سے 1912ء میں پیش کردہ چار نکاتی فارمولا کسی طور پر بھی فراموش نہیں کر سکتا جس میں کہا گیا تھا کہ:

1۔ مسلمان اپنی قوم کے سوا کسی سے کچھ نہ خریدیں کہ گھر کا منافع گھر میں رہے۔

2۔ممبئی، مدارس، کلکتہ، رنگون اور حیدر آباد کے تونگر مسلمان اپنے بھائیوں کے لیے بلاسود بنک قائم کریں جو نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر کام کرے۔
3۔ سوا ان باتوں کے جن میں حکومت کی دست اندازی ہے اپنے معاملات باہم فیصلوں سے طے کریں تا کہ کروڑوں روپے مقدمہ بازیوں میں ضائع نہ ہوں۔
4۔ دین کی ترویج وتحصیل کریں کہ یہ سب سے اعظم ہے۔(48)

سرسید احمد خان کے نظریات سے بنیادی اختلاف کے باوجود امام احمد رضا متحدہ قومیت کے نظریہ اور مسلمانوں کے غیر مسلموں خاص کر یہود، ہنود اور نصاریٰ کے ساتھ موالات اور باہمی اختلاط کے شدید مخالف تھے اپنے متبعین کے ذریعے انہوں نے ہندو مسلم اتحاد کی مزاحمت کی اور ہندوستان کو دارالسلام قرار دیتے ہوئے یہاں سے ہجرت کرنے کی مخالفت کی۔ تحریک خلافت اور عدم تعاون کی سیاسی مہمات کے دوران ہندو مسلم بھائی بھائی کے نعروں کے شور میں انہوں نے مسلم قائدین کو واشگاف الفاظ میں یہ حقیقت باور کرائی کہ ''ایک کفر سے نجات پا کر دوسرے کفر کی غلامی گردن میں ڈال لینا کہاں کی دانشمندی ہے''۔ آپ ہی کے ایماء پر انجمن نعمانیہ ہند لاہور، انجمن اسلامیہ لاہور اور علامہ اقبال سمیت دیگر ممتاز مسلم رہنما تحریک ترک موالات میں عملی طور پر حصہ لینے سے باز رہے۔

تقسیم ہند کی تجویز باقاعدہ اور بھرپور انداز میں جغرافیائی حدود کی نشاندہی کرتے ہوئے سب سے پہلے 1920ء میں مولانا عبدالقدیر بدایونی نے پیش کی۔(49) آزادی ہند کے سلسلے میں سب سے پہلی توانا آواز رئیس الاحرار مولانا حسرت موہانی کی تھی۔علامہ اقبال کی پیش کردہ تجویز تقسیم ہند 1930ء کی حمایت میں سب سے پہلا مضمون مولانا نعیم الدین مراد آبادیؒ نے رقم فرمایا۔تحریک خلافت علی گڑھ کالج تحریک مسجد شہید گنج اور تحریک پاکستان میں سب سے زیادہ سرمایہ امیر ملت پیر جماعت علی شاہؒ محدث علی پوری اور ان کے متوسلین نے مہیا کیا۔(50) 1940ء میں قرارداد پاکستان کی توثیق کے لیے سینکڑوں علماء اسٹیج وجلسہ گاہ میں موجود تھے۔مولانا عبدالحامد بدایونی کو قائداعظم نے صوبہ سرحد کے ریفرنڈم میں شاندار خدمات سرانجام دینے پر فاتح سرحد کا خطاب دیا۔

بانیان پاکستان پر صوفیاء کے اثرات

مصور پاکستان علامہ اقبال اولیاء کرام کی عظمت کردار کے مداح اور خود اپنے والد سے سلسلہ قادریہ میں بیعت تھے۔(51) آپ کو حضرت مجدد الف ثانیؒ سے کامل عقیدت تھی پختگی علم وفکر نے آپ کو ان کے نظریہ وحدت الشہود کا قائل بنا دیا تھا جس نے آگے چل کر جداگانہ مسلم قومیت کے تصور کو قوت وتوانائی بخشی فکر اقبال کی تعمیر میں صوفیا کے افکار وکردار خاص طور پر شیخ مجدد احمد سرہندی، سید علی ہجویری، یحییٰ منیریؒ خواجہ نظام الدین اولیاء، بوعلی شاہ قلندر کے اثرات نمایاں ہیں۔انہوں نے اپنے خطبہ الہ آباد میں دوقومی نظریہ کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ''یورپی جمہوریت کا اصول، بغیر فرقہ وارانہ جماعتوں کے حقائق کو تسلیم کیے، ہندوستان پر منطبق نہیں کیا جاسکتا۔اس لئے مسلمانوں کا ہندوستان کے اندر اسلامی ہند کی تخلیق کا مطالبہ بالکل جائز ہے۔میں پنجاب، شمال مغربی سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک واحد ریاست میں مدغم دیکھنا چاہوں گا۔سلطنت برطانیہ کے اندر یا اس سے باہر خود مختار حکومت اور شمال مغربی ہندوستانی مسلم ریاست کا قیام میرے خیال میں کم سے کم شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کا حتمی مقسوم ہے''۔(52)

محمد علی جناحؒ جو ابتدائی سیاسی زندگی میں ہندو مسلم اتحاد کے قائل تھے۔(53) آخر کار فکر اقبال، اور پیر سید جماعت علی شاہ محدث علی پوریؒ کی مسلسل دینی رہنمائی کے نتیجے میں ایک علیحدہ مسلم ریاست (پاکستان) کی تشکیل کے مطالبے پر متفق ہو گئے۔بقول ڈاکٹر محمد مسعود احمد'' پاک وہند کے عظیم مفکر اور شاعر علامہ اقبال نے جو پہلے ایک قومی نظریہ کے مؤید تھے اور بعد میں اس کے سخت مخالف ہو گئے تھے، مکتوبات حضرت مجدد الف ثانیؒ اور فاضل بریلویؒ کے فتاویٰ رضویہ کا عمیق مطالعہ فرمایا تھا اس لئے ظن غالب ہے کہ علامہ کے افکار وخیالات میں ان دونوں مآخذ نے ایک انقلاب پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کیا ہے''۔

امیر ملت کے معتقدین ومریدین کی جماعت میں ڈاکٹر ظفر الحسن صدر شعبہ فلسفہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ بھی تھے ان کے احباب ورفقاء ڈاکٹر افضال حسین قادری اور پروفیسر ظفر احمد بدایونی وغیرہ حضرات نے وہاں ایک جماعت کی تشکیل کی جس کا خاص مقصد تحریک پاکستان اور مسلم لیگ کو استحکام بخشنا تھا، معروف مورخ پروفیسر محمد ایوب قادری کا خیال ہے کہ ڈاکٹر ظفر الحسن مرحوم کی ان کوششوں میں امیر ملت کی تربیت وتحریک کو بھی دخل ہوگا۔امیر ملت نے قدیم صوفیہ کی طرح سیر وسیاحت کو بھی اپنے تربیتی پروگرام میں رکھا اور ملت کے مختلف قبائل وعشائر کے لوگوں کو تربیت دے کر اپنا خلیفہ وجانشین مقرر کیا جنہوں نے ملک کے طول وعرض میں تبلیغ وتذکیر کے فرائض انجام دیئے بلکہ حجاز وعراق تک اس تحریک

کے اثرات پہنچے۔(54)

پیر جماعت علی شاہ محدث کو 1935ء میں تحریک مسجد شہید گنج کے سلسلہ میں منعقدہ کل ہند کانفرنس کے موقع پر مسلمانان ہند کی قیادت کے لئے امیر ملت کا خطاب دیا گیا تھا آپ نے 1943ء میں قائداعظم پر قاتلانہ حملہ کے بعد اپنے نمائندہ خصوصی بخشی مصطفیٰ علی خان کے ہاتھ تحائف اور ایک خصوصی پیغام ارسال کیا جس میں کہا گیا تھا کہ "قوم نے مجھے امیر ملت منتخب کیا ہے اور پاکستان کے لیے جو کوشش آپ کر رہے ہیں وہ میرا کام ہے لیکن میں اب سو سال سے زیادہ عمر کا ضعف و ناتواں شخص ہوں میرا بوجھ آپ پر پڑا ہے اس میں آپ کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں میں اور میرے تمام یاران طریقت آپ کے معاون و مددگار رہیں گے"۔(55)

صحافتی محاذ اور رائے عامہ کی تشکیل

تحریک آزادی کے دوران مسلم رائے عامہ کی تشکیل اور اجتماعی شعور کی صحیح خطوط پر آبیاری کے لیے صوفیاء و کرام کے آستانوں سے وابستہ صحافیوں اور اہل قلم نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان میں خواجہ سلیمان تونسویؒ کے خلیفہ مولانا محرم علی چشتی (1864-1937) کا لاہور سے پانچ جنوری 1884 کو جاری کردہ روزنامہ رفیق ہند، قادری سلسلہ کے مولانا عبدالباری فرنگی محل (1878-1926) روزنامہ ہمدم لکھنؤ مجریہ 1912ء آپ کے مرید خاص مولانا محمد علی جوہر (1878-1931) کا ہمدرد دہلی، امیر ملت پیر جماعت علی شاہ کے مرید محمد معراج الدین (1886-1948) کا روزنامہ وکیل، امرتسر، سید محمد حبیب شاہ (1891-1951) کا روزنامہ سیاست، لاہور مجریہ 1919ء، مولانا مرتضیٰ احمد خان میکش (1899-1959) کا روزنامہ احسان، لاہور مجریہ 1934ء اور روزنامہ شہباز لاہور، خواجہ حسن نظامی (1876-1955) کا ہفت روزہ منادی دہلی، حکیم معراج الدین کا ہفت روزہ ارائیں میگزین، امرتسر، ملک امام بخش ناسخ سیفی (1918-1984) کا ہفت روزہ سعادت کمالیہ مجریہ 27 اگست 1937ء، ماہناموں میں مولانا حسرت موہانی (1878-1951) کا اردوئے معلّی، مجریہ 1903 حکیم معراج الدین احمد کے الراعی لاہور، حنفی جماعت اور المعین امرتسر، مولانا حسنین رضا خان (1893-1981) کا الرضا بریلی مجریہ 1919 سید محمد اشرف محدث کچھوچھوی (1894-1961) کا اشرفی، مجریہ 1922ء، سید مسعود حسن شہاب دہلوی (1922-1990) کا الہام دہلی مجریہ 1940ء شمس الاسلام بھیرہ مجریہ 1925 صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی (1883-1948) کا السواد الاعظم مراد آباد مجریہ 1924 یادگار رضا بریلی مجریہ 1926 پٹنہ کا مخزن تحقیق، المطلب یہ تحفۂ حنفیہ، انوار الصوفیہ لاہور مجریہ 1901ء معین الدین لاہور، انجمن نعمانیہ، لاہور، دہلی کا آستانہ اور مولوی اور منڈی بہاؤ الدین سے شائع ہونے والا ماہنامہ صوفی وہ نمایاں اخبارات و جرائد ہیں جنہوں نے تحریک آزادی ہند اور دو قومی نظریہ کے فروغ میں شاندار خدمات انجام دیں۔(56)

الفقیہ امرتسر جنوبی ایشیاء میں مسلمانوں کا واحد رسالہ تھا جس نے اگست 1942ء سے اپنے سرورق پر اپنے مقام اشاعت امرتسر کے ساتھ لفظ پاکستان لکھنا شروع کر دیا تھا اس کے صفحات پر انگریزی سامراج، ہندو تنظیموں اور اکالی دل کے علاوہ مسلم قوم پرست جماعتوں کا بلیغ اور مدلل رد ملتا ہے۔ 20 مارچ 1942ء کی اشاعت میں ہندو مسلم اتحاد کے مضمرات بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے "ہندو مسلم اتحاد مسلمانوں کے لئے سم قاتل ہے ابھی تو انگریزی راج ہے جب کانگریس کے نظریہ کے مطابق سوراج یعنی رام راج قائم ہو گیا تو ہندو مسلمانوں کو کان سے پکڑ کر ہندوستان سے باہر نکال دیں گے ان کی زندگی دشوار کر دیں گے اردو زبان اور رسم الخط کا نام و نشان مٹا دیں گے اور تمام اسلامی حقوق غصب کر لیں گے"۔(57)

تحریک پاکستان کے پرآشوب دور میں مسلم صوفیاء نے اسلامی عقائد و اقدار کے تحفظ، سماجی و اخلاقی برائیوں کے خاتمہ، مسلم معاشرہ کی از سرِ نو تعمیر و تشکیل، اجتماعی مسلم شعور کی آبیاری خود اعتمادی اور خود شناسی کے فروغ، برطانوی اور ہندو سامراج کے مقابلہ میں مسلم اشرافیہ جدید تعلیم یافتہ طبقے اور عامۃ المسلمین کی دینی و روحانی تربیت اور سیاسی و عوامی سطح پر مسلمانان برصغیر کی مجموعی کارکردگی اور فعالیت میں اضافہ کے ذریعے مسلم احیاء پرستی کی تحریک اور اس کے نتیجہ میں جنم لینے والی آزاد و خودمختار اسلامی ریاست کے قیام کا فریضہ انجام دیا۔ برصغیر کے اطراف و اکناف میں پھیلے روحانی سرچشموں کے وارث اولیاء کرام اور مشائخ عظام انسان دوستی، خلوص و للہیت، دینی حمیت اور عوام سے قریبی ربط و تعلق کے باعث رائے عامہ تشکیل دینے اور عوامی مزاج متعین کرنے میں ظاہر بین علما اور محدود اثر و رسوخ رکھنے والے سیاسی زعما پر برتری رکھتے تھے۔ کروڑوں مریدین و متوسلین کے قلوب و اذہان پر براہ راست حکمرانی کرنے والے بزرگان دین ہی اپنی خداداد بصیرت کے باوصف، سر سید احمد خان، محمد علی جوہر، علامہ اقبال اور قائداعظمؒ سے بھی بہت پہلے اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ بدلے ہوئے حالات میں مسلمانان برصغیر کی بقاء و سلامتی فقط اور فقط جداگانہ مسلم قومیت پر اصرار اور مسلم اکثریتی علاقوں پر مشتمل ایک آزاد و خودمختار اسلامی ریاست کے قیام میں

منظر ہے۔

اگرچہ صوفیاء کرام سیاسی پیچیدگیوں، آئینی موشگافیوں اور حکومتی اقدامات و پالیسیوں سے کوئی خاص دلچسپی اور واقفیت نہیں رکھتے تھے اور نہ ہی انہیں علامہ اقبال، قائداعظم اور دیگر سیاسی رہنماؤں کے ساتھ سیاسی و تنظیمی کام کرنے کا براہ راست موقع ملا تھا لیکن بایں ہمہ برصغیر میں مسلمانوں کو درپیش مسائل و مشکلات کے حل، اجتماعی حقوق و مفادات کے تحفظ اور مستقبل کے لائحہ عمل کے حوالے سے اور مسلم قومیت کے تحفظ کے لیے بانیانِ پاکستان کی فکری رہنمائی کی بھرپور صلاحیت رکھتے تھے۔

انگریز اور ہندو کی بالادستی سے نجات، مسلم قومیت کے تحفظ اور برصغیر میں جداگانہ اسلامی ریاست کے قیام کو وہ خود اپنا مقصد مدعا اور قائداعظم کو اس نازک معاملہ میں مسلمانوں کا سب سے قابل اور مخلص ترین وکیل سمجھتے تھے۔ (58) مجوزہ اسلامی ریاست کے متعلق قائداعظم اور اکابر صوفیا کے خیالات میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔ بنارس میں 27 تا 30 اپریل 1946ء کو منعقد ہونے والے کل ہند اجتماع کے موقع پر ہزاروں علماء و مشائخ کی موجودگی میں مجلس استقبالیہ کے صدر محدث سید احمد پھلواروی نے مطالبہ پاکستان کی تشریح کرتے ہوئے وضاحت کی تھی کہ ہمارے نزدیک "پاکستان ایسی خودمختار اور آزاد حکومت ہے جس میں شریعت اسلامیہ کے مطابق فقہی اصول پر کسی قوم کی نہیں اسلام کی حکومت ہو جس کو مختصر الفاظ میں کہیے کہ خلافت راشدہ کا نمونہ ہو"۔ اس موقع پر ایک قرارداد بھی منظور کی گئی جس میں مطالبہ پاکستان کی حمایت کرتے ہوئے اس عزم کا اعادہ کیا گیا کہ اگر خدانخواستہ مسلم لیگ حصول پاکستان کے مطالبہ سے دستبردار بھی ہو جائے تو بھی ہم اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے جب تک پاکستان حاصل نہ کریں۔ (59) قائداعظم نے بھی بارہا مواقع پر اپنے مؤقف کا موقف پیش کرتے ہوئے واشگاف الفاظ میں اس بات کا اظہار کیا تھا کہ "قومیت کی تعریف چاہے جس طرح کی جائے، مسلمان اس تعریف کی رو سے ایک الگ قوم کی حیثیت رکھتے ہیں اور اس لئے اس بات کے مستحق ہیں کہ ملک میں ان کی اپنی الگ مملکت اور اپنی جداگانہ خودمختار ریاست ہو۔ ہم مسلمان چاہتے ہیں کہ ہندوستان کے اندر ہم ایک آزاد قوم بن کر اپنے ہمسایوں کے ساتھ ہم آہنگی اور امن و امان کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ہماری تمنا ہے کہ ہماری قوم اپنی روحانی، اخلاقی، تمدنی، اقتصادی، معاشرتی اور سیاسی زندگی کو کامل ترین نشوونما بخشے اور اس کام کے لیے وہ طریق عمل اختیار کرے جو اس کے نزدیک بہترین اور ہمارے نصب العین سے ہم آہنگ ہو"۔ (60) 8 مارچ 1944ء کو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں خطاب کرتے ہوئے کہا "آپ نے غور فرمایا کہ پاکستان کے مطالبے کا جذبہ محرک کیا تھا؟ مسلمانوں کے لئے ایک جداگانہ مملکت کی وجہ جواز کیا تھی؟ تقسیم ہند کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اس کی وجہ نہ ہندوؤں کی تنگ نظری ہے نہ انگریزوں کی چال یہ اسلام کا بنیادی مطالبہ تھا"۔ 2 نومبر 1945ء کو پشاور میں ایک اجلاس عام کے موقع پر فرمایا "ہمارا کوئی دوست نہیں ہے نہ انگریز پر بھروسہ ہے نہ ہندو بننے پر ہم دونوں کے خلاف جنگ کریں گے خواہ وہ آپس میں متحد کیوں نہ ہو جائیں"۔ (61)

قیام پاکستان کے فوراً بعد 25 جنوری 1948ء کو کراچی بار ایسوسی ایشن سے خطاب کرتے ہوئے آپ نے دستور پاکستان کی اس طرح وضاحت کی کہ "میں ان لوگوں کی بات نہیں سمجھ سکتا جو دیدہ دانستہ اور شرارت سے یہ پروپیگنڈہ کرتے رہتے ہیں کہ پاکستان کا دستور شریعت کی بنیاد پر نہیں بنایا جائے گا۔ اسلام کے اصول عام زندگی میں آج بھی اسی طرح قابل اطلاق ہیں جس طرح تیرہ سو سال پہلے تھے میں ایسے لوگوں کو جو بدقسمتی سے گمراہ ہو چکے ہیں، یہ صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ یہاں غیر مسلموں کو بھی کوئی خوف، ڈر نہیں ہونا چاہئے اسلام اور اس کے نظریات نے ہمیں جمہوریت کا سبق دے رکھا ہے ہر شخص سے انصاف، مساوات اور آزادی سے خوف کیوں لاحق ہو جو انصاف، رواداری اور مساوی برتاؤ کے بلند ترین معیار پر قائم کی گئی ہو۔ ان کو کہہ لینے دیجئے ہم دستور پاکستان بنائیں گے اور دنیا کو دکھائیں گے کہ یہ رہا ایک اعلیٰ آئینی نمونہ"۔ (62)

تحریک پاکستان کی جدوجہد میں علماء و مشائخ کے کردار اور قائداعظم کی شاندار خدمات کے گہرے مطالعہ سے ممتاز مورخ وفا عزیز احمد کے اس نقطہ نظر کی تصدیق ہوتی ہے کہ "مسلم ہند کی قیادت میں جناح کی کامیابی کا راز جو نظر آتا ہے حقیقت میں اس کے برعکس تھا۔ وہ خود قیادت نہیں کرتے تھے بلکہ مسلم اجماع کے پیروکار ایک پرخلوص اور صاف ذہن رکھنے والے قانون دان (وکیل) کا تھا جو اپنے موکل کی مین خواہش کے مطابق مقدمہ کو نپی تلی قانونی زبان میں ڈھال سکتے تھے اور اس کا اظہار کر سکتے تھے"۔ (63)

ہندو دانشور اسعید کر کے بیان کے پس منظر میں دیکھا جائے تو یہی وہ نفوس قدسیہ ہیں جو اجتماعی ملی شعور کے صورت گر، اجماع امت کے حقیقی ترجمان اور اس پراسرار جذبے کے محرک اور پوشیدہ ہاتھ کے مشاہدہ تھے جس نے تمام تر مذہبی رواداری کے باوجود تاریخ کے کسی بھی مرحلہ پر مسلمانوں کو کبھی بھی ہندو مت میں ضم نہیں ہونے دیا اور صدیوں تک نسل در نسل، عہد بہ عہد اور سینہ بہ سینہ باطنی طریق پر جہد مسلسل کے

ذریعے مسلم اذہان کو ان کے جداگانہ تشخص کا احساس دلاتے اور پاکستان کی منزل کی جانب ان کی رہنمائی کرتے رہے۔

حوالہ جات

1۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
2۔ ماہنامہ نوائے انجمن، اسلام آباد، اگست 2001ء
3۔ آغا اشرف، مرقع قائداعظم، مقبول اکیڈمی لاہور
4۔ ماہنامہ نوائے انجمن، اسلام آباد، اگست 2001ء
5۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
6۔ ایضاً
7۔ ڈاکٹر عبدالرشید، تصوف، اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان، اولیاء اکیڈمی پاکستان
8۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
9۔ صادق قصوری، امیر ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ، سیالکوٹ
10۔ ایضاً
11۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
12۔ ایضاً
14۔ ایضاً
15۔ ایضاً
16۔ ایضاً
17۔ احمد بدر اخلاق، حضرت الیشاں اور ان کا قرب و جوار، میاں اخلاق اکیڈمی، لاہور
18۔ ڈاکٹر عبدالرشید، تصوف، اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان، اولیاء اکیڈمی پاکستان
19۔ سید محمد راشد برہانپوری، برہانپور کے سندھی اولیاء، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد
20۔ پیر حسام الدین راشدی پیش لفظ، برہانپور کے سندھی اولیاء، سندھی ادبی بورڈ، حیدرآباد
21۔ شیخ محمد اکرام آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
22۔ ایضاً
23۔ ماہنامہ نوائے انجمن، اسلام آباد، اگست 2001ء
24۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
25۔ شیخ محمد اکرام، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
26۔ ایضاً
27۔ ایضاً
28۔ ایضاً
29۔ ماہنامہ اخبار اردو، اسلام آباد، جون 2004ء
30۔ ایضاً
31۔ ایضاً
32۔ دفتر اول، حصہ اول، مکتوب 65، مکتوبات، مجدد الف ثانیؒ
33۔ میاں جمیل احمد شرقپوری، ارشادات مجدد، مکتبہ نور اسلام شرقپور (شیخوپورہ)
34۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
35۔ ایضاً

36۔ ایضاً
37۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور
38۔ ایضاً
39۔ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، فیض نقشبند، فضل نور اکیڈمی گجرات
40۔ ایضاً
41۔ ایضاً
42۔ سرسید احمد خان، آثار الضادید، مطبوعہ دہلی
43۔ عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری، فیض نقشبند، فضل نور اکیڈمی، گجرات
44۔ مولانا محمد حسن نظامی، حیات نظام فی الانوار القرآن، اوشین پرنٹرز ڈی آئی خان
45۔ ایضاً
46۔ ایضاً
47۔ ڈاکٹر عبدالرشید، تصوف، اولیائے مانکی شریف اور تحریک پاکستان، اولیاء اکیڈمی پاکستان
48۔ غلام قادر اشرفی، شان اولیاء، دارالفیض گنج بخش، لاہور
49۔ ڈاکٹر رفیع اللہ صدیقی، امام احمد رضا بریلویؒ کے معاشی نکات، مجلس رضا، لاہور
50۔ محمد صادق قصوری، امیر ملت اور ان کے خلفاء، مکتبہ نعمانیہ سیالکوٹ
51۔ ایضاً
52۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی، سیرت اقبال، قومی کتب خانہ، لاہور
53۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور
54۔ ایضاً
55۔ محمد ایوب قادری، مقدمہ امیر ملت اور ان کے خلفاء
56۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی / سید اختر حسین، سیرت امیر ملت، جلی پور سیداں سیالکوٹ
57۔ مجیب احمد "تحریک پاکستان اور سنی اردو صحافت ..... ایک جائزہ" ماہنامہ عرفات لاہور اگست 2003ء
58۔ ماہنامہ الفقیہ، امرتسر 20 مارچ 1942
59۔ ڈاکٹر طاہر فاروقی / سید اختر حسین، سیرت امیر ملت، جلی پور سیداں سیالکوٹ
60۔ محمد جلال الدین قادری، خطبات آل انڈیا سنی کانفرنس، مکتبہ رضویہ گجرات
61۔ اجلاس مسلم لیگ لاہور، 23 مارچ 1940
62۔ سید قاسم محمود، قائداعظم کا پیغام، پاکستان اکیڈمی لاہور
63۔ ایضاً
64۔ عزیز احمد، اسلامی کلچر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور

✿ ✿ ✿

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا
کیسے اُم المومنین بنیں

علامہ سید محمد ذاکر حسین شاہ سیالوی

مستشرقین اور ان کے ہمنواؤں کا ایک اعتراض سید کل ﷺ پر حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح کے بارہ میں بھی ہے۔ فقیر چاہتا ہے کہ ان کے اعتراض کا علمی تجزیہ بھی آج کے درسِ حدیث میں ہو جائے۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ کون تھے

حضرت زید رضی اللہ عنہ بچپن میں کسی نے اٹھا لیے مکہ مکرمہ میں فروخت ہو رہے تھے کہ سید کائنات ﷺ نے سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کو بتایا۔ سیدہ نے انہیں خرید کر آپ کی نذر کر دیا۔ کافی وقت کے بعد والد اور چچا آئے حضور ﷺ سے ان کی واپسی کی درخواست کی قیمت کی پیشکش کی آپ نے فرمایا! زید کو الگ لے جاؤ بات کر لو۔ اگر یہ جانا چاہے تو ہمیں بھیجنے میں کوئی عذر نہیں۔ قیمت کی کوئی ضرورت نہیں والد اور چچا نے تنہائی میں ساری باتیں کیں۔ ماں کی بے قراریوں اور بہنوں کی بے تابیوں کا تذکرہ کیا۔ مگر زلفِ رسالت کا اسیر درِ رسول ﷺ کو چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوا۔ لہٰذا زید رضی اللہ عنہ کا شانہ رسول ﷺ میں ہی رہ گئے سرکار ﷺ نے ان کی شادی اپنی آزاد کردہ لونڈی ام ایمن رضی اللہ عنہا سے کر دی۔ ام ایمن رضی اللہ عنہا کے بطن سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پیدا ہوئے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے انھیں طلاق دے دی۔ سید کل ﷺ نے ذرہ نوازی فرماتے ہوئے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بنت جحش سے کرنی چاہی۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو یہ رشتہ بوجوہ پسند نہیں تھا۔ سب سے بڑا مسئلہ خاندانی نجابت کا تھا۔ مگر جب آقا ﷺ نے فرمایا کہ یہ میرا حکم ہے تو سیدہ بے چون و چرا مان گئیں۔ اب کافی عرصہ گزر گیا اولاد نہ ہوئی تو عورتیں چہ میگوئیاں کرنے لگیں کہ اسامہ رضی اللہ عنہ بھی زید کے بیٹے نہیں ہیں وہ گورے چٹے ہیں اور زید رضی اللہ عنہ تو کالے ہیں۔ سیدِ کل ﷺ نے فرمایا کیا گائے کا رنگ اور بچھڑے کا رنگ دوسرا نہیں ہوتا۔ مطلب یہ تھا کہ تخلیق اللہ کریم فرماتا ہے۔ جو رنگ چاہے دے دے۔

مسلم (صفحہ ۶۲۰ جلد ۱ مطبوعہ عیسی البابی مصر۔ کتاب الرضاع باب العمل بالحاق القائف الولد) میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ مل کر سوئے ہوئے تھے۔ منہ سر ڈھانپے ہوئے تھے، پاؤں ننگے تھے۔ ایک قیافہ شناس پاس سے گذرا کہنے لگا یہ پاؤں ان پاؤں سے ہیں یعنی یہ باپ بیٹا ہیں۔ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کو آکر عرض کیا فرمایا! زبان نبوت تو تمہیں سمجھ نہیں آ رہی تھی قیافہ شناس کی بات سمجھ آ گئی ہے۔

مختلف معاشروں میں لوگوں کے بارے میں عجیب چہ میگوئیاں اور افواہیں گردش کرتی رہتی ہیں۔ ہمارا اپنا پاکستانی معاشرہ ایسی افواہوں کی زد میں رہتا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں خواتین بار بار یہی کہہ رہی تھیں کہ ان میں کوئی جسمانی نقص ہے وہ قابل اولاد نہیں ہیں۔ اگر قابل اولاد ہوتے تو زینب سے کیوں اولاد نہ ہوتی۔

عظمت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا

یہ باتیں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ ان کی عظمتوں کو سلام کہ آقا ﷺ کا حکم مان کر ایک آزاد کردہ کالے رنگ کے غلام سے شادی فرمائی اور پندرہ سال تک حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بارے میں سرکار ﷺ سے کوئی بات نہیں کی۔ سوال یہ ہے کہ جب حضرت زید رضی اللہ عنہ طبعاً ٹھیک ہیں تو پھر اولاد کیوں نہیں ہوئی؟ اصل وجہ خود سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تھیں۔ وہ رتقا تھیں یہ ایک مرض ہوتا ہے۔ گوشت کا لوتھڑا جسم خاص میں ہوتا ہے اور وہ خاتون اس کی وجہ سے جنسی رابطے کے قابل نہیں رہتی۔ آج اس کا علاج ہے مگر اس دور میں علاج نہیں تھا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ اس سلسلہ میں سید کل ﷺ سے کوئی بات نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ آزاد کردہ غلام تھے اور سیدہ آپ کی پھوپھی زاد تھیں۔ زینب رضی اللہ عنہا کے خلاف بات کرنا ادب کے خلاف تھی۔ بھلا ان کی شکایت کیسے کی جا سکتی ہے۔ اس طرح پندرہ سال کا طویل عرصہ گزر جاتا ہے۔ یہ باتیں میں اس لئے تفصیلاً کر رہا ہوں کہ یہاں بہت ساری اعلیٰ تعلیم یافتہ خواتین تشریف فرما ہیں۔ آپ نے جب مستشرقین کو پڑھنا ہے اور ان کی لغویات کا مطالعہ کرنا ہے تو شکوک و شبہات نے آپ کے دل و دماغ کو متاثر کرنا ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ سیدہ عائشہ سلام اللہ علیہا کا دامن صاف کرنے کے بعد ان اعتراضات کا بھی قلع قمع کر دیا جائے۔ جو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے میں دشمنانِ اسلام نے ذاتِ رسالت پر کئے ہیں۔ ایک لیکچر میں اگرچہ پوری تفصیلات نہیں آ سکتیں مگر ترمذی شریف پر لیکچر میں کسی اور مقام پر اس موضوع پر جب کوئی حدیث آئے گی تو مزید وضاحت کر دی جائے گی۔

پندرہ سال گزر گئے۔ اب صرف اتنی بات دربارِ رسالت میں عرض کی۔ آقا! زینب رضی اللہ عنہا کے مزاج میں بڑی کرختگی ہے۔ تلخی سی آ گئی ہے مگر ان کی جسمانی حالت کے بارے میں کچھ عرض نہیں کیا۔ حضور! ﷺ یہ تلخی برداشت سے باہر ہو گئی ہے۔ کرم فرمائیں۔ مجھے

اجازت مرحمت فرمائیں کہ میں زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دوں۔ ختمی مرتبت ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بات سمجھائی۔ دشمنوں نے اس گفتگو میں کیا کیا رنگ بھرا اور کن اوچھے ہتھکنڈوں سے سرکار کریم ﷺ پر عداوت کے تیر برسائے۔ بیک گراؤنڈ تو ساری وہی ہے جو اختصار کے ساتھ فقیر نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے۔ اب مسعودی جیسے ایک دشمن نے تاریخ میں ایک اور انداز سے تذکرہ کر دیا اور لغویارانِ بے توفیق اسی بات کو لے اڑے۔ یہ نہیں سوچا کہ یہ یہودی صفت انسان ذات نبوت کے خلاف جو بک گیا ہے کیا اس کی کوئی اصلیت بھی ہے؟ وہ کہتا ہے سید کل ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد کی شادی حضرت زید سے کر دی مگر ایک دن ان کے گھر گئے تو وہ کپڑے بدل رہی تھیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ ان پر پڑی۔ خواہش ہوئی کہ میں خود ان سے شادی کرلوں پھر آپ نے ایسے حالات پیدا کرنے شروع کر دیئے کہ زید رضی اللہ عنہ نے طلاق دے دی۔ اب حیلے بہانوں سے طلاق ہوگئی اب فرمایا ان کے ساتھ میرا نکاح آسمان پر ہو چکا ہے۔ لہٰذا نہ تو کوئی نکاح کا گواہ ہوا اور نہ ہی کوئی مہر مقرر ہوا۔ مطلب یہ ہوا کہ نہ مدینہ طیبہ میں کوئی نکاح ہوا اور نہ ہی کوئی نکاح کا گواہ ہوا اور نہ ہی کوئی مہر تھا۔ مرزا غلام احمد آنجہانی کا محمدی بیگم سے نکاح ہوتا تو یہ ساری باتیں ٹھیک ہوتیں۔

اس لغو افسانہ گو کو سید الانبیاء ﷺ کے مزاج اقدس کا ذرا بھی علم نہیں ہے۔ ایک مسلمان ایسے کفریہ کلمات اپنی زبان پر نہیں لاسکتا مگر جب یہ روایت گھڑی گئی تو اس مقدس قرآنی آیت کو بھی اپنے اس مفروضے کے پیالے سے جوڑ گیا۔ جس کا ذکر ہم آگے کرنے والے ہیں۔ میں نے انتہائی سادہ انداز میں دشمن کے ایچ پیچ کو چھوڑ کر اس کا مفہوم آپ کی خدمت میں عرض کیا۔ جس انداز سے اس نے ذکر کیا ہے اسے نقل کرنے کی نہ تو میں جسارت کر سکتا ہوں اور نہ ہی آپ سن سکتے ہیں۔

سید کائنات ﷺ تو معصوم ہیں۔ ایسا نا ممکن ہے کہ سرکار ﷺ دل میں تو اور بات رکھ رہے ہوں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے اور بات کہیں۔ ان کے مذہب میں یہ منافقت ہے اور ایک سچا مسلمان بھی منافقت کے مرض سے پاک ہوتا ہے۔ سید کل ﷺ کی تو بات ہی اور ہے۔ معصوموں کے آقا ﷺ سے ان باتوں کا کیا تعلق؟ یہ سب ہوائیاں دشمن کی اڑائی ہوئی ہیں اور واضح بات ہے کہ دشمن کی شہادت قبول نہیں کی جاسکتی۔

تجزیہ کریں

پہلی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ طلاق پندرہ سال کے بعد ہوئی ہے۔ دوسری بات پر بھی غور فرمائیں کہ سید کل ﷺ نے فرمایا زینب رضی اللہ عنہا! آپ نے میرے اس نوکر سے شادی کرنی ہے اور پھوپھی زاد بہن نے یہ حکم بسر و چشم قبول کر لیا عورتوں کے طعنے سنتی رہیں کہ وہ اعلیٰ خاندان کی تھیں قریشی تھیں، ہاشمی تھیں۔ ان کا نکاح ایک آزاد کردہ کالے غلام سے کر دیا گیا۔ یہ تو پھوپھی زاد بہن کے ساتھ انصاف نہیں ہے۔ یہ طعنہ باز خواتین غیر مسلم تھیں ان کا محبوب مشغلہ ہی رحمت عالم ﷺ کے خلاف طومار بازی تھا۔ یہ ساری باتیں زینب رضی اللہ عنہا کو اپنے راستے سے ہٹا نہیں سکیں۔ انہوں نے پندرہ سالوں کا طویل عرصہ مہر بہ لب گزار دیا۔

اب ذرا اس شخص کے باطل نظریات کا تجزیہ کرتے چلیں۔ زینب رضی اللہ عنہا، سید کل ﷺ کی پھوپھی زاد ہیں وہ جوان ہیں ابھی پردے کا حکم بھی نازل نہیں ہوا پھر ہر مومنہ کا سرکار ﷺ پر ایمان ہے وہ محفلِ نبوی میں حاضر ہوتی ہیں۔ کیا آپ ﷺ نے پہلی مرتبہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو دیکھا تھا؟ آپ ﷺ تو انہیں زندگی کی ابتدا سے دیکھ رہے تھے۔ آج پہلی مرتبہ تو نہیں دیکھا تھا لہٰذا اس مصنوعی کہانی کی پہلی کڑی ہی ٹوٹ گئی ہے اور جھوٹے کا جھوٹ آشکار ہو گیا ہے۔

اب آگے بڑھیں وہ کہتا ہے ان کا مہر کوئی نہیں تھا۔ آپ اگر اپنی معتبر کتابیں پڑھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بھائی نے نکاح کر کے دیا تھا اور چار سو درہم مہر مقرر ہوا تھا۔ یہ سب معتبر کتب میں موجود ہے۔ اب یہ کہانی بھی ختم ہوئی کہ نکاح آسمان پر ہوا تھا اب اس ہوائی کی بھی ہوا اڑ گئی کہ مہر مقرر نہیں ہوا تھا۔ (تہذیب، ابن ہشام، ابن کثیر، ابن حجر، اصابہ، فتح الباری وغیرہ ملاحظہ ہوں)

تین افراد کی عظمت:

اس سارے واقع میں تین افراد کی عظمت ہے ذرا پلٹ کر دیکھیں وہ عظمت کیسے آتی ہے۔

۱۔ رحمت عالم ﷺ ہیں کہ انہوں نے سابقہ ساری روایات رنگ و نسل کو توڑ کر اپنی پھوپھی زاد کی شادی ایک آزاد کردہ سیاہ رنگ غلام سے کر دی۔ آپ ﷺ اگر چاہتے تو ان سے خود شادی فرما سکتے تھے مگر ایسا نہیں کیا۔

۲۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا عظیم ہیں کہ انہوں نے اپنے آقا ﷺ کے حکم پر ایک کالے آزاد کردہ غلام سے اپنی مرضی کے خلاف شادی کی، 15 سال اس حال میں گذار دئے کہ انہوں نے اپنے مرض کا کسی سے ذکر نہیں فرمایا۔ جنسی رابطہ تو ہو نہیں سکتا تھا کہ وہ مرض رتقاء میں مبتلا

تھیں مگر یہ رابطہ نہ ہوسکنے کے باوجود محض اطاعت رسول ﷺ میں وہ خاموش رہیں۔ ان کے اس ایثار کا نبی ﷺ کی طبع انور پر کتنا بڑا اثر ہوگا یہ اللہ کریم کے رسول ﷺ ہی جانتے ہیں۔

۳۔ حضرت زید عظیم ہیں کہ وہ 15 سال تک لوگوں کے طعنے سنتے ہیں، افواہیں سنتے ہیں مگر وہ سرکار ﷺ کے سامنے زبان نہیں کھولتے اور بی بی کے ہوتے ہوئے حقیقی طور پر بیوی سے محروم رہتے ہیں۔ ان کی وجہ سے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی ذات پر بھی حرف آتا ہے مگر آپ سب کچھ خاموشی سے برداشت کرتے جاتے ہیں۔

آیت کا اصل مطلب

اب ذرا اس آیہ کریمہ کی طرف آیئے جس کے حقیقی مفہوم کو نہ سمجھتے ہوئے ہمارے مفسرین نے اس من گھڑت کہانی کو تفسیر کا حصہ بنادیا اور پھر سارے اعتراضات پیدا ہوگئے جن کی طرف مختصراً ہم نے اشارہ کیا ہے۔ یہ سورۃ احزاب پارہ ۲۲ کی آیت ۳۷ ہے عبارت تبرکاً پیش خدمت ہے اور ترجمہ بھی حاضر ہے۔

واذ تقول للذی انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ امسک علیک زوجک واتق اللہ وتخفی فی نفسک ما اللہ مبدیہ وتخشی الناس. واللہ احق ان تخشاہ. فلما قضیٰ زید منھا وطرًا زوجنا کھا لکی لا یکون علی المومنین حرج فی ازواج ادعیاھم اذا قضوا منھن وطرا وکان امر اللہ مفعولا.

ترجمہ: محبوب! یاد کیجئے جب اسے فرمار ہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ کا انعام تھا اور آپ کا بھی انعام تھا کہ تو اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ اور اللہ تعالیٰ سے ڈر تو اپنے جی میں جو چھپائے بیٹھا ہے اللہ اسے ظاہر فرمانے والا ہے تُو تو لوگوں سے ڈر رہا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس کا زیادہ حق رکھتا ہے کہ تو اس سے ڈرے، پھر جب زید کی غرض اس سے پوری ہوگئی تو وہ ہم نے آپ کے نکاح میں دے دی تاکہ مومنوں پر کوئی حرج نہ رہے ان کے لے پالکوں کی بیویوں کے بارے میں جب کہ وہ ان سے اپنا مطلب پورا کرلیں اور اللہ تعالیٰ کا کام ہو کر رہتا ہے۔

کئی ٹھوکریں:

آیت کے مفہوم میں اسی خود ساختہ قصہ کی وجہ سے مفسرین نے کئی ٹھوکریں کھائیں۔

۱۔ **وتخفی فی نفسک مااللہ مبدیہ** کا خطاب انھوں نے حضور کریم ﷺ کے لئے سمجھا حالانکہ یہ سرکار رحیم کا حضرت زید رضی اللہ عنہ کو خطاب ہے۔

۲۔ **وتخشی الناس** کا بھی ان حضرات نے خطاب نبی علیہ السلام کے لئے سمجھا اور یہ خیال نہ فرمایا کہ ان دو ٹھوکروں کا اثر ختم المرسلین علیہ السلام کی ذات ستودہ صفات پر کتنا منفی پڑ رہا ہے ان کی تشریح کے مطابق پہلے فقرے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ دل میں کچھ چھپار ہے ہیں اور زبان پر کچھ لار ہے ہیں کیا حضور ﷺ ایک امام المعصومین ہو کر ایسا کر سکتے ہیں ہرگز نہیں۔

دوسرے فقرے کا مطلب یہ ہوا کہ آپ لوگوں سے ڈرتے ہیں حالانکہ آپ کو اللہ کریم سے زیادہ ڈرنا چاہئے کیا یہ جملہ اس نبی اعظم ﷺ کے کردار سے ذرا بھی لگا ؤ کھاتا ہے جس نے فاراں کی چوٹی پر چڑھ کر ساری دنیا کے کفر وشرک کو چیلنج کیا اور اسی بناء پر صدیق رضی اللہ عنہ وحیدر رضی اللہ عنہ نے آپ کو ساری دنیا سے بڑھ کر بہادر قرار دیا۔

۳۔ ان دو ٹھوکروں نے مل کر راہ ہموار کردی اور اس کذاب ومفتری کی جھوٹی داستان کو ان حضرات نے تفسیر قرآن بنادیا اور بے شمار لوگوں نے اس تفسیر کو قرآن سمجھ کر قبول کرلیا **فاعتبرو یا اولی الالباب**

قرآن کا حقیقی مفہوم

آیت شریفہ کے پہلے جملے میں ارشاد ہوا حضور ﷺ یاد فرمایئے! جب آپ اسے فرمار ہے تھے جس پر اللہ تعالیٰ انعام فرمایا اور آپ نے بھی انعام فرمایا۔

یہ صاحب جن پر انعام ہوا وہ حضرت زید بن حارث رضی اللہ عنہ تھے انعام کی مختصر نوعیت یہ تھی۔

اللہ تعالیٰ کے انعام:

۱۔ وہ بچے سے تھے کہ پکڑے گئے اللہ کریم نے انھیں رسول رحیم ﷺ کے کاشانہ اقدس میں پہنچادیا۔

۲۔ غلاموں میں وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔

۳۔ ان کے دل میں اس طرح محبتِ رسول ﷺ ڈال دی کہ وہ والد اور چچا کے ساتھ واپس جانے کے لئے تیار نہ ہوئے۔

۴۔ قرآن حکیم میں وضاحۃً صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام استعمال ہوا ہے کسی اور صحابی کا نہیں ان کے علاوہ بھی کئی انعامات ہیں جن کا تعلق ہمارے موضوع سے نہیں ہے۔ اسی کو اللہ کریم انعم اللہ علیہ کے مبارک الفاظ سے ذکر فرما رہے ہیں۔

رسول مکرم ﷺ کے انعامات

رسول اعظم ﷺ نے بھی حضرت زید رضی اللہ عنہ کو انعامات سے نوازا۔

۱۔ وہ غلام تھے انھیں آزاد فرما کر زندگی کے حقیقی لطف سے نوازا۔

۲۔ اپنی پھوپھی زاد کا رشتہ آپ کو دلا کر فخر سے ان کا سر بلند کر دیا۔

۳۔ اپنے ہاں انہیں زندگی کی ساری سہولتیں دیں۔

۴۔ ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو بھرپور محبت سے نوازا کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ان کا ناک صاف فرماتی تھیں۔ اس پہلے جملے سے آگے ارشاد رسول ﷺ آتا ہے ہم علمی زبان میں کہہ سکتے ہیں کہ تقول (آپ فرما رہے تھے) کا اگلی عبارت مقولہ ہے یعنی آپ فرما رہے تھے کیا فرما رہے تھے یہ کہ امسک علیک زوجک (اپنے بیوی کو اپنے ہاں رکھو) یہ چار جملے یکے بعد دیگرے ارشادات نبوی ہیں۔ ترتیب یوں ہیں۔

۱۔ اپنی بیوی کو اپنے پاس رہنے دیجئے۔ (طلاق نہ دیجئے اور) ۲۔ اللہ کریم سے ڈریئے۔

۳۔ آپ نے دل میں کچھ چھپا رکھا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ اسے ظاہر فرمانے والا ہے۔

چاروں جملوں کو غور سے پڑھیئے یہ ارشادات رسول ﷺ ہیں اور روئے سخن حضرت زید کی طرف ہے تیسرا جملہ غیب کی خبر ہے جو رحمت عالم ﷺ دے رہے ہیں بات زید رضی اللہ عنہ کے دل میں ہے مگر سرکار ﷺ سے مخفی نہیں ہے کہ وہ مزکی قلوب وارواح ہیں ان کی نگاہ سے غلام کے دل کی بات چھپ نہیں سکتی آخری جملہ پیش گوئی ہے اب یہ آپ کے دل کی بات راز نہیں رہے گی۔

ہم پیچھے اشارۃً حضرت زید رضی اللہ عنہ کے دل کی بات عرض کر چکے ہیں کہ وہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی تکلیف کا ذکر نہیں کرنا چاہتے اور اس وجہ سے مسلسل طعن وتشنیع کا نشانہ بنے ہوئے ہیں مزید برآں ان کے صاحبزادے حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ پر بھی غلاظت کے چھینٹے پڑ رہے ہیں۔ مگر وہ غلام ہیں اور معاشرہ جو غیر اسلامی ہے انہیں بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔

عبارت سے ضمناً معلوم ہوتا ہے کہ انہیں طلاق کی اجازت مل گئی ہے تاکہ وہ راز افشاں ہو سکے جو آج تک ان کے سینے میں چھپا ہوا ہے۔ اب طلاق ہو جاتی ہے وہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا نامی خاتون سے شادی فرماتے ہیں اور سال ڈیڑھ کے اندر ان کے ہاں بچے کی ولادت ہوتی ہے۔

اس ولادت نے الزامات کے غبارے سے ہوا نکال دی ثابت ہوا کہ سیدنا زید رضی اللہ عنہ کو قوت مردمی کا کوئی مرض نہیں تھا۔ پھر یہ بھی ثابت ہو گیا کہ سیدنا اسامہ رضی اللہ عنہ آپ ہی کے صاحبزادے ہیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی سب الزامات سے برأت ہو گئی۔ یہ اللہ کریم کا پانچواں بہت بڑا انعام تھا۔

ناسمجھی کی حد ہو گئی

اوپر مذکور پہلے دو جملوں کو تو مفسرین نے حضرت زید کے لئے سرکار ﷺ کا خطاب قرار دیا مگر آخری دو جملوں کو سرکار ﷺ کے لئے اللہ کریم کا خطاب قرار دے کر وہ لغویات تفاسیر میں بھر دی جس نے کئی شکوک، الزامات اور لغویات کو جنم دیا اور پھر مختلف حضرات نے دور از کار دتاویلات کا سہارا لیا۔

حضرت زید رضی اللہ عنہ 55 سال کی عمر میں شہید ہوئے تو سیدہ زینب رضی اللہ عنہا 35 سال کی تھیں

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا مستقبل

آیہ کریمہ کے اگلے حصے میں اللہ کریم نے عربوں کی ایک خود ساختہ شریعت کا خاتمہ فرما دیا۔ وہ منہ بولے بیٹے کی بیوی سے اس آدمی کا نکاح ناجائز قرار دیتے تھے۔ جو اسے منہ بولا بیٹا یا لے پالک بنا تا تھا۔ سید کل ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمائیں پھر سیدہ کا حضور ﷺ سے نکاح ہوا ان کے وارث ان کے بھائی تھے، مہر مقرر ہوا۔ جس کی تفصیلات ہم عرض کر چکے ہیں۔ زینب رضی اللہ عنہا جو کل تک حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں آج وہ ام المومنین بن گئیں اسی حیثیت سے جنت میں تشریف لے جائیں گی۔

بندہ نوازیاں

WWW.NAFSEISLAM.COM

آپ کو پتا ہے کہ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا حضور ختمی مرتبت ﷺ کی پھوپھی زاد تھی۔ آپ کے حکم پر انھوں نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو قبول فرمایا تھا۔ 15 سال کا طویل عرصہ بڑی خاموشی سے وہاں گزارا تھا۔ پھر وہاں سے جب طلاق ہوئی ہوگی۔ تو آپ کے دل پر کیا بیتی ہوگی۔ پھر اسی بے کسوں کے کس اور بے سہاروں کے سہارے ﷺ نے آپ کی دلجوئی فرمائی۔ جس طرح صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی فرما چکے تھے۔ آج کا بہار کا رخ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ٹوٹے دل کی طرف ہوا۔ اور رحمت عالم ﷺ رحمت و کرم کے جلو میں اپنے کاشانہ نبوت کی طرف لے جانے کے لئے تشریف لائے۔

محبت کے لئے دل ڈھونڈھ کوئی ٹوٹنے والا
یہ وہ مے ہے جسے رکھتے ہیں نازک آبگینوں میں

سیدہ کے دل کے پیمانے سے محبتِ رسول ﷺ چھلک رہی تھی۔ اب ٹوٹے دلوں کو رعنائیاں اور بگڑے نصیبوں کو رفعتیں دینے والے تشریف لائے اور انھیں ام المومنین کا نورانی جوڑا پہنا دیا۔ آپ نے دیکھا کہ سید المرسلین ﷺ کے ہاں بھی ان کی اولاد نہ ہوئی کیونکہ وہ قابل اولاد نہ تھیں۔ اس سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا دامن مزید صاف ہوگیا اور سیدہ رضی اللہ عنہا قرب رسول ﷺ پا کر حصول اولاد کو ہمیشہ کے لئے بھول گئیں۔ قرآن نے آیت کے آخر میں کہہ دیا یہ سب کچھ امر ربی تھا اور امر ربی ہو کر رہتا ہے کوئی روک نہیں سکتا۔ کوئی اسے ٹال نہیں سکتا۔ کوئی اسے مؤخر نہیں کر سکتا۔ ہماری اس تفسیر سے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا نورانی دامن صاف ہوگیا۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی پوزیشن واضح اور صاف ہوگئی۔ اس مصنوعی واقعہ کی آڑ میں جو لغویات سید کل ﷺ کے خلاف بیان کی گئی تھیں وہ بھی ختم ہوگئیں۔ خاندانِ نبوت کا دفاع ہوگیا اور یہی ایک مسلمان کے لئے زندگی کا مشن بھی ہے اور آخرت کا اعزاز بھی۔

اگر سرکار ﷺ پر اعتراض آجائے تو اس سے دو خرابیاں لازم آتی ہیں۔

۱۔ پہلی بات یہ ہے کہ آپ معصوم ہیں اور ایسی حرکاتِ مذبوحہ کی نسبت معصوم کی طرف کفر ہے۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر دامنِ نبوت داغ دار ہو جائے تو آپ ان کی پیروی اور اتباع کیسے کریں گے؟ وہ تو پھر صرف ایک عام لیڈر بن جائیں گے جن کی اطاعت واجب نہیں رہے گی۔

ہمیں اپنے نبی مکرم محبوب معظم، امام محترم ﷺ کا بھرپور دفاع کرنا ہے۔ اپنا تن، من، دھن ان کے لئے قربان کرنے سے دریغ نہیں کرنا ہے تاکہ اس دنیا میں بھی سرخرو رہیں اور قیامت کو بھی حضور ﷺ کے لواء الحمد کے نیچے پناہ پا سکیں۔

✿ ✿ ✿

جماعت اہلسنت پاکستان کے مرکزی ناظم اعلیٰ

علامہ سید ریاض حسین شاہ

کی ہفت ہزار رنگی باتیں

حیرت کے جہانوں سے آشنائی رکھنے والے صاحب خرد، صاحب اسرار، صاحب نظر اور صاحب راز سید ریاض حسین شاہ ان افراد میں سے ہیں جو معاشروں اور قوموں کو انعام الٰہی کی حیثیت سے عطا کئے جاتے ہیں۔ جو زندگی کا ہاتھ تھام کر امیدوں اور اندیشوں کے درمیان بھٹکنے والے انسانی قافلوں کے مسیحا بن جاتے ہیں۔ شاہ جی ایک بہت مرتبے والی شخصیت ہیں۔ ان کی علمی وجاہتوں، فکری رفعتوں، روحانی اور ذہنی افق کی وسعتوں کو الفاظ کے ذریعے بیان نہیں کیا جا سکتا۔ ہر بڑے سے بڑا لفظ اُس عظمت اور شوکت سے بہت پیچھے ہے جس کی دولت ان کے ہاں فراواں ہے۔ اس حقیقت میں کوئی شک نہیں کہ شاہ جی دانائے راز ہیں، خرد کدے کے امام ہیں، آسمان روحانیت کے ماہ کامل ہیں، علم و عرفان کے مہر تاباں ہیں، صراط مستقیم کے مسافر ہیں، ہمارے معاشرے کا عطر ہیں، دانش کی آبرو ہیں، گئے وقتوں کی اُجلی کہانیوں کا عنوان ہیں، روشنیوں سے ملتے جلتے انسان ہیں، خزاں کے موسموں میں بہار کے جھونکوں کی طرح ہیں۔ وہ دلوں کے اندر جھانکنے کا فن جانتے ہیں۔ وہ نامعلوم کو معلوم میں لانے کے ہنر سے آشنا ہیں۔ دلوں میں اتر جانے والی گفتگو اور ذہن و فکر کے دریچوں پر دستک دینے والی تحریر کا سلیقہ جانتے ہیں۔ اپنے ہی من میں ڈوب کر سراغ زندگی پا لینے والے سید ریاض حسین شاہ بصیرت اور بصارت کی روشنیوں سے جگمگاتا دل اور دماغ رکھتے ہیں۔ وہ جدید اور قدیم کا سنگم ہیں۔ وہ ایک سراپا خوشبو انسان ہیں۔ وہ مہکتی چھاؤں جیسے ہیں۔ وہ قبول دعاؤں جیسے ہیں۔ وہ قلندرانہ ادائیں رکھتے ہیں۔ میں نے کئی بار دیکھا کہ ایک سرمستی اور سوز و گداز کی لہر تھی جو ان کی محفل ذکر میں بیٹھنے والوں کی بھیگی ہوئی آنکھوں میں رقص کر رہی تھی اور آنسوؤں کی پھوار دلوں پر گرتی صاف محسوس ہو رہی تھی۔ سوز و ساز رومی اور پیچ و تاب رازی کی سرمست کیفیتوں میں زندگی گزارنے والے سید صاحب کا طرز گفتگو اتنا مشفقانہ، شفیقانہ، خلیقانہ اور دلبرانہ ہوتا ہے کہ محسوس ہوتا ہے، وہ بات نہیں کر رہے گلابوں کو بدن اور خوشبو کو دھن دے رہے ہیں۔ وہ اپنائیت اور محبت کے شیرے سے بھیگی آواز میں جب گفتگو کرتے ہیں تو کوئی جانی پہچانی آرزو ان کے لفظوں کی آنکھوں میں جھلملانے لگتی ہے۔ ان کی دلوں کو تسخیر کر لینے والی باتیں راز زندگی، حسن اعمال، اصلاح احوال، استقامت کردار، اللہ پرستی اور محبت رسول ﷺ کا پیغام بانٹتی ہیں۔ وہ جب محو گفتگو ہوتے ہیں تو سامعین کو قاتل کے خنجر سے مرہم ٹپکتا، ریگ زاروں سے بوئے گل کی مہکار اٹھتی اور ظلمتوں کے گریبان سے آفتاب طلوع ہوتے محسوس ہوتے ہیں۔ روحانی روشنی میں چمکتے ہوئے چہرے والے سید زادے کی دلنواز باتیں سماعتوں میں اترتی ہیں تو سننے والوں میں گناہوں سے نفرت اور نیکی کا شوق بیدار ہوتا ہے، حوصلہ پیدا ہوتا ہے، امنگ جوان ہوتی ہے، ڈھارس بندھتی ہے۔ ان کی تحریریں کامیاب زندگی بسر کرنے کا راز تقسیم کرتی ہیں۔ بجھے دلوں کو حیات تازہ کی بشارت دیتی ہیں۔ عارفانہ خصائل کے مالک سید ریاض حسین شاہ کی من موہنی شخصیت میں ایک عجیب طرح کا اسرار اور طلسماتی کشش ہے اس مرد حق آشنا کی موجودگی میں لوگ آسودگی پاتے ہیں۔ وہ یقین، وجدان اور عرفان کی سرزمین کے آدمی ہیں۔ وہ خیر کی خوشبو خیرات کرنے والے انسان ہیں۔ شاہ جی نمود و نمائش اور شہرت سے دور بھاگتے ہیں لیکن اللہ نے ان کے لئے محبت اور عقیدت ہوا کی آنکھوں میں رکھ دی ہے۔ ہوا تو ہر کہیں ہوتی ہے، اُسے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ تم اس گھر نہ جاؤ اب یہ ہوا تیز ہو گئی ہے۔ شاہ صاحب کو انٹرویو کے لئے آمادہ کرنا ایک مشکل کام ہے لیکن "ایمز انٹرنیشنل" کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ گزشتہ دنوں شاہ جی برطانیہ تشریف لائے اور خصوصی انٹرویو دیا۔ جسے پہلے "ایمز انٹرنیشنل" نے شائع کیا اور اب یہ "دلیل راہ" کے قارئین کی نظر کیا جاتا ہے۔ (محمد نواز کھرل)

س: اقبال نے کہا تھا ”اُمت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے“۔۔۔ فرمایئے! کیا فی الواقعہ اُمت زوال کا شکار ہے، اگر ہے تو اس کے اسباب کیا ہیں اور اس کیفیت سے باہر آنے یا دوسرے لفظوں میں احیائے نو کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ ادبار سے ارتقاء تک جانے کے لئے کون سی سیڑھی استعمال کی جائے؟

ج: ”اُمت مسلمہ“ سے مراد حضور ﷺ کے غلام ہیں۔ دور اول سے لے کر آخر الزماں تک غلامی رسول کا اعزاز رکھنے والے بلند بخت لوگ اُمت مسلمہ ہی کے رکن رکین ہیں۔ اُمت کی ترقی کو مادی یا عددی پیمانوں سے ماپنا تولنا درست نہ ہوگا۔ تشکیل اُمت کی بنیادیں سراسر ایمانی، روحانی، عملی، اور فکری ہیں۔ اُمت اس وقت بھی اُمت ہی تھی جب چند نفوس قدسیہ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے۔ زوال یا ترقی یا تو نفسیاتی حالت کا نام ہوتا ہے یا پھر مادی شوکت اور صولت یا پھر اس سے محرومی کا نام ہوتا ہے۔ کیا کسی بھی زاویئے سے حضور ﷺ کے زمانے کی اُمت کو زوال کا شکار یا زبوں کا شکار کہا جا سکتا ہے۔ امہ کو چاہیئے کہ صوفیاء کی فکر آخرت کی بنیاد پر ایمان اور عمل کی مستقل اقدار کے لئے کام کرے۔ یہی انداز تبلیغ دین میں ہمیں کامیابیوں کی معراج تک لے جا سکتا ہے۔ علوم کا حصول اور مادی ترقی اسلام کے منافی نہیں۔ دین مبین کے خادمین کو تسخیر کائنات کی منزلیں طے کرتے رہنا چاہیئے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے علم، محنت اور با مقصد جد وجہد ہی ہمارے وسائل ہو سکتے ہیں۔

س: یہ فلسفہ کہ موجودہ دور میں اسلام قابل عمل مذہب نہیں، کتنا سچ اور کتنا باطل ہے؟ اگر یہ فلسفہ مکمل باطل ہے تو پھر 57 اسلامی ممالک میں سے کسی ایک ملک میں بھی اسلام بروئے کار کیوں نہیں ہے؟ ان شخصی، خاندانی بلکہ آمر، جمہوری حکومتوں کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟ مغربی جمہوریت اور اسلامی جمہوریت میں اگر کوئی تباین ہے تو براہ کرم اسے بھی واضح فرمایئے؟

ج: اسلام انسانوں کے لئے مذہب ہے اسے ماننے والے کو عملی انسان ہونا چاہیئے۔ اگر حکومت اسلامیہ قائم ہو جائے تو اس کا مطلب ہوگا اسلام کا صرف ایک زاویہ نکھر کر ہمارے سامنے آیا ہے اگر بالفرض دنیا بھر میں کہیں اسلامی حکومت نہ ہو تو ہرگز اس کا مطلب یہ نہ ہوگا کہ دنیا میں اسلام نہیں، حکومت اسلام میں ہے لیکن ہمارے کا سارا اسلام حکومت میں نہیں۔ انسان غار میں بھی مسلمان بن کر جی سکتا ہے اور بازار میں بھی مسلمان بن کر جی سکتا ہے۔ اسلام اپنی خوبیوں کے اظہار میں سیڑھی کے درجوں کی طرح ہے عروج بے شک آخری سیڑھی پر قدم رکھنے سے ہی حاصل ہوتا ہے لیکن پہلی سیڑھی پر قدم رکھنے والا بھی مسلمان ہی ہوگا۔

علوم کا حصول اور مادی ترقی اسلام کے منافی نہیں

دو کشتیوں پر قدم رکھنے والا ساحل پر نہیں پہنچ سکتا

س: بسا اوقات 72 فرقوں کے فرمان کی اوٹ سے فرقہ واریت کا دفاع کیا جاتا ہے، یہ یقیناً غلط ہوگا، مگر فرقہ واریت کے موجودہ عذاب سے نجات کیسے حاصل کی جائے اور یہ بھی بتایئے کہ کیا سواد اعظم بھی ایک بڑا فرقہ نہیں اور کیا اس کو اپنے دفاع کے لئے دوسرے فرقوں کے خلاف آواز نہیں اٹھانی چاہیئے؟

ج: دنیا دار الامتحان ہے، سچ کی تلاش ہی وظیفۂ حیات ہے جو بات حضور ﷺ نے فرما دی حتمی ہے ہمارے کسی فلسفے اور منطق سے حقائق نہیں بدل سکتے اور ہمیں یہ خواہ عادت بھی ترک کرنی ہوگی کہ ہر باطل کو فرقہ سمجھ کر دل میں نرم گوشہ پیدا کرنے کی سعی کریں اور حق اور باطل کو یکجا کرنے کی کوشش کریں ایسا ہرگز نہیں ہوگا حق ہی کو حق کہا جا سکتا ہے اسی حسین دنیا کا سراغ لگانے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ پان اسلامزم دراصل دین کی حقیقت کو نہ جاننے والوں کا نعرہ ہے، بیہودہ عزائم کے خلاف تگ و تاز ہونی چاہیئے حضور ﷺ نے جس ایک ہی کو حق کہا اسے ہی تلاش کرنا چاہیئے اور اپنی تقدیر آخرت اسی کے ساتھ وابستہ کرنی چاہیئے۔ دو کشتیوں پر قدم رکھنے والا ساحل پر نہیں پہنچ سکتا۔ سو کشتیوں میں قدم رکھنے والا کس طرح تباہی سے بچ سکتا ہے؟

س: اتحاد اُمت ناگزیر ہے، مگر اس تصویر میں رنگ کیسے بھرا جائے؟ کیا آپ ایسی تجاویز دیں گے کہ انہونی ہو جائے اگر ایسا نہ ہو سکا تو آپ اُمت کا مستقبل کیسے دیکھتے ہیں؟

ج: ایشوز پر ہم آہنگی پیدا کی جا سکتی ہے جیسے پاکستان بنانے کی تحریک میں سب لوگ یکسو ہو گئے تھے۔ دین کو دین صحافت نہیں بنایا جا سکتا۔ جہاں چاہا توڑ دیا اور جہاں چاہا جوڑ دیا، اگر کسی وقت مسلم حکمرانوں نے مادی ترقی کا انتہائی اہم ہدف منصوبہ بندی کے ساتھ اُمہ کے سامنے پیش کیا تو مؤثر نتائج سامنے آنے کی توقع کی جا سکتی ہے۔ بصورت دیگر یہ مایوسی ضرور ختم ہونی چاہیئے۔ مسلمان اللہ کے فضل سے ایمانی اور عملی اثر نفوس کے

ساتھ رہتی دنیا تک قائم رہیں گے۔

✿ س: تقابل ادیان کے ساتھ ساتھ تعامل ادیان کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم دیار غیر میں بسنے والے اپنی قدروں کا دفاع کیسے کریں؟ بھرپور معاشرتی زندگی یا خوفناک تنہائی؟ آپ ہمارے لئے کیا تجویز کرتے ہیں؟

☆ ج: مسلمانوں کو اپنے دین پر یقین پیدا کرنا ہوگا، تقابل یا تعامل بے جان اصطلاحیں ہیں۔ اسلام کی تہذیبی اقدار میں غلبہ کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے۔ خربوزہ چھری پر گرے یا چھری خربوزے پر گرے کٹے گا خربوزہ ہی۔ مسلمان عمل سے بے گانہ ہیں اور کب منہاج سنت کو لے کر زندگی کے میدان میں اترے ہیں کہ ناکامی پر غور ہو ہمیں اپنے سرمایہ معاشرت کے ساتھ لوگوں کے ساتھ جانا ہوگا اور ایسا ہو سکتا ہے۔

اسلام کی تہذیبی اقدار میں غلبہ کا عنصر بدرجہ اتم موجود ہے

بے شعور سیاسی قائدین مسلمانوں پر مسلط ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے یا اللہ کا عذاب ہے یا پھر امتحان

✿ س: خانقاہیں اور رسم شبیری۔۔۔۔۔ کیا یہ دو مختلف نظریئے ہیں؟ اگر نہیں تو پھر علامہ اقبال اس قدر برانگیختہ کیوں ہیں۔۔۔ اور یہ بھی بتائیے کہ کیا خانقاہ جمال کی اور رسم شبیری جلال کی نمائندگی نہیں کرتے اور کیا دین کی ترویج میں بڑا کردار جمال کا نہیں، جس کی نمائندگی خانقاہ کرتی ہے، لیکن آج کے خانقاہی نظام سے آپ مطمئن ہیں؟

☆ ج: علامہ اقبال جس دور میں اسلامیان عالم کو ڈانٹ ڈپٹ کر بیدار کر رہے تھے وہ غلامی کا دور تھا، ضرورت اس امر کی تھی کہ مسلمانوں میں خفتہ صلاحیتیں بیدار ہوتیں اور وہ آزادی کی تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ علامہ اقبال نے ہر طبقہ فکر کو تگ و تاز کی دعوت دی۔ کبھی آپ مزدور کو آواز دیتے ہیں کبھی آپ کسانوں کی ساعتوں پر دستک دیتے ہیں، کبھی مسجدوں مکتبوں میں کام کرنے والوں میں روح بلالی پیدا کرتے ہیں اور کبھی آبادیوں کی آلودگیوں سے نفرت دلا کر جنگلوں اور صحراؤں کے جمالیاتی ماحول سے بہترین صلاحیتوں کی نقابت کرتے ہیں۔ رسم شبیری، شاہین، خودی، پرواز، اٹھنا، ابھرنا، پلٹنا، جھپٹنا اور میدان میں نکلنا، اقبال کی دعوتی صلاحیتیں ہیں۔ یقیناً خاص خاص موقعوں پر ان کا استعمال اقبال کے اندر ان کی عقابی روح کی نشاندہی کرتا ہے ورنہ خانقاہیں اور رسم شبیری ایک ہی دین کی ضرورتوں کی تکمیل ہے۔ جمال دراصل جلال ہی کا رنگ ہوتا ہے اور جلال حقیقت میں جمال ہی کا جلوہ ہوتا ہے۔ ضرورت ہو تو رسم شبیری منزل نواز ہوتی ہے اور حالات آواز دیں تو خانقاہیں طہارت اور تہذیب نفس کی خیرات بانٹتی ہیں۔ میرے خیال میں دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ کھانا کھانا اور پانی پینا ایک ضرورت کی تکمیل کا اعلان ہوتا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دونوں حرکی تصورات کو سمجھا جائے اور اس کی حقیقتوں سے عملی انداز میں حجاب ہٹایا جائے۔

✿ س: ایک خیال یہ ہے کہ سرد جنگ کی صورت میں صلیبی جنگ چھڑ چکی ہے، کیا یہ سچ ہے؟ اگر ایسا ہے تو ہمارے صلاح الدین ایوبی کو اس دور کی صلیبی جنگ میں کیسا ہونا چاہیئے۔ اس ضمن میں یہ بھی بتایئے کہ کیا موجودہ حالات میں مسلمانوں پر جہاد کے فرض کی ادائیگی ضروری ہو چکی ہے؟

☆ ج: معاف کیجئے صلاح الدین ایوبی ہماری ضرورت نہیں۔ حسن ؓ اور حسین ؓ ہماری ضرورت ہیں۔ عمر ؓ، عثمان ؓ ہمارا اخلاقی آئیڈیل ہیں اور رسول اکرم ﷺ کا اسوہ ہم سب کی منزل ہے۔ میرے نزدیک جہاد کی تعریف درست ہونی چاہیئے۔ مغرب کی طرف سے جو کچھ ہو رہا ہے مسلمانوں کے لئے تباہی ہے لیکن ہمارا حشر نشر خود مسلمانوں کے اپنے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ علی ؓ کے علم کا امین کون ہو، عثمان ؓ کی حیا کا وارث کدھر ڈھونڈیں۔ عمر ؓ کا تدبر کہاں سے تلاش کریں اور صدیق اکبر ؓ کا عشق رسول ﷺ کس صبح کے ماتھے پر چمکتا دیکھیں میرا عذر قبول کریں مجھے قافلہ رسول ﷺ کے سوا ادھر ادھر دیکھنے کی عادت نہیں۔ جن لوگوں نے مسلمانوں اور عیسائیوں سب کو ایک ہی تلوار سے کاٹا ہو مجھے انہیں ہیرو تسلیم کرنے میں تکلیف ہوتی ہے۔ میں بادشاہت کا کبھی پرستار نہیں رہا جن بادشاہوں نے خاندان رسول کو گالی گلوچ کی ہو اور مصر کے پچیس ہزار فاطمیوں کو تہ تیغ کیا ہو میرے لئے ان خوارج کے ذکر میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اہلسنت کا عقیدہ رکھنے والا ہوں مہربانی کر کے مجھے میرے ایمانی، عملی اور روحانی سرچشموں سے دور نہ کیا جائے البتہ بیت المقدس عیسائیوں سے واپس لینے کا کارنامہ عزت کا نشان ہے۔ آج کی جنگ صلیبی جنگوں کا تسلسل

نہیں، یہ نئی مصلحتوں اور اقدامات سے مسلح مسلمانوں کے نئے شکاری ہیں۔ ان کی واردا تیں اپنی ہیں لیکن اسلام کا درد رکھنے والے لوگ مکر وفریب کے ہر داؤ سے آگاہ ہیں ضرورت اسی احساس کی ہے۔

صدام کے کردار اور انجام سے سبق حاصل کرنا چاہیئے

ضیاء الحق کے ساتھ جو حشر کیا گیا وہ عبرت آموز ہے

س: جہاد کا ذکر آیا تو پیر فرمائیے کہ انفرادی جہاد اور عسکری اداروں کے نام سے مسلمانوں میں جو گروہ پیدا ہو چکے ہیں، شرعی حکم کیا ہے؟ اور یہ خودکش حملے کیا ہیں۔ لندن میں بھی خودکش حملے ہوئے ان کی کیا حیثیت ہے؟

ج: ''جہاد فی سبیل اللہ'' اللہ کی کتاب رحمت کی ایک حرکی اور انقلابی اصطلاح ہے۔ نیکی اور تہذیب نفس سے متعلق وہ مؤثر اور خوبصورت اذکار جو پیغمبر اسلام نے عطا فرمائی ہیں۔ ان کی ترقی اور ارتقا کے لئے کی جانے والی کوشش اور جنگ و تاز کا نام جہاد ہے۔ ظاہر ہے یہ کام سراسر انسانیت کے لئے ہے اگر کوئی پاگل انسان خیر کے اس سفر سے روکنا چاہے تو قوت اور طاقت سے اس کا انسداد ضروری اور منطقی ہوگا یہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ اختیار فرد کی سطح پر کسی کو نہیں دیا جا سکتا۔ اسلامی حکومت کا سربراہ یا دین اسلام کے نشو واشاعت کے لئے کوشاں مسلمانوں کا اجتماعی امام یہ حق رکھتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی جہتیں قائم کرے گزشتہ دور میں عسکری گروہوں کا وجود مسلمانوں کی نالائق حکومتوں کا غلط اقدام تھا، بدقسمتی سے مسلمانوں کو ایک عرصہ ہوا نالائق سیاسی قیادتیں دیمک کی طرح چاٹ رہی ہیں، فوجی اداروں میں پلنے والے جرنیل اُمت مسلمہ کی تقدیر کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ پاکستان میں غلط فہمیوں کے مہلک بیج جنرل ضیاء الحق نے بوئے اور سلسلہ مسلسل آگے بڑھ رہا ہے۔ خودکش حملوں کی ہم حمایت نہیں کرتے لیکن کچھ عرصہ سے روشن خیالی کے نقیب جس طرح اسلامی اصولوں اور اقدار کے وجود کو ذبح کرنا چاہتے ہیں انہیں سمجھنا چاہیئے کہ دنیا میں کسی بھی مذہب کو مارا نہیں جا سکتا۔ مغربی ممالک کو دانشمندی سے انسانی سطح پر ان مسائل کا حل سوچنا چاہیئے اور بغیر تاخیر افغانستان اور عراق سے فوجیں واپس بلا لینی چاہئے۔

س: اس جمہوری دنیا میں مسلمان عددی ہجوم کے باوجود بے حیثیت کیوں ہیں فرمائیے؟ کیا ہم بہبودیوں کی موجودہ ترقی کو تسلیم کریں یا کوئی عذر لنگ ڈھونڈیں؟

ج: مسلمان عددی ہجوم رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے سیاسی فیصلے غلط کرتے ہیں، تیاریوں کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیئے پوری دنیا میں ظالم، بے دین اور بے شعور سیاسی قائد مسلمانوں پر مسلط ہیں، جو کچھ ہو رہا ہے یا اللہ کا عذاب ہے یا پھر امتحان، پہلی صورت میں ہم سب کو توبہ کرنی چاہیئے اور دوسری صورت میں فکر و نظر کے قبلے صحیح اور درست کرنے چاہئیں۔

پاکستان کی سبھی مذہبی جماعتیں اسلام نافذ کرنے میں مخلص نہیں

س: دہشت گردی کے خلاف جنگ کو ہم آج تک محض میڈیا کی جنگ کہہ رہے ہیں جبکہ پاؤں کے نیچے سے پانی مسلسل بہے جا رہا ہے۔ دین امن کے پرچار کے بعض اداروں سے جب کتابوں میں چھپا ہوا اسلحہ برآمد ہوتا ہے اور مذہب کے پردے میں انسانیت کا خون کیا جاتا ہے تو پھر ہمارے پاس دفاع کی کیا صورت باقی رہ جاتی ہے؟

ج: عالمی سطح پر استعماری قوتیں اپنے مخصوص عزائم کی تکمیل کیلئے جسے چاہیں جو قرار دے دیں۔ مسلمانوں کے ساتھ زیادتی ہو رہی ہے۔ جن لوگوں سے اسلحہ برآمد ہو رہا ہے، دیکھنا ہوگا کہ وہ بنا ہوا کہاں کا ہے۔ استحصالی عناصر جن گدھوں پر سردیوں کے اندر اپنے سفلی مقاصد کا

بوجھ لادتے ہیں انہیں گرمیوں میں گولی مار دیتے ہیں۔ جو آج کے دہشت گرد ہیں کل کے یہی لوگ مغربیوں کے خادم تھے۔ صدام کے کردار اور انجام سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ ضیاء الحق کے ساتھ جو حشر کیا گیا وہ عبرت آموز ہے۔ آج کے کرزیوں اور مشرفوں کو بھی تاریخ کے نازک لمحات کو آئینہ بنا کر حقیقت کی تصویر دیکھنی ہوگی۔ دہشت گرد مجرم ہیں لیکن جو لوگ انہیں دہشت گردی پر مجبور کر رہے ہیں وہ کون ہیں۔ مسلمانوں کی آزادیوں میں مداخلتیں کی جا رہی ہیں۔ اس کے فیصلے اپنے فیصلے نہیں رہے۔ لگتا ہے جو لوگ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم دنیا کو دس بار فنا کر سکتے ہیں وہ اسے فنا کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ مسلمانوں نے سانحہ سپین کے بعد کلمی زندگی گذاری ہے جبکہ ان کا دشمن مکار تھا اس نے ہر زاویئے سے ان کے گرد حصار تنگ کر لیا ہے۔ مسلمانوں کے پالیسی اسٹڈیز کے ادارے مفقود ہیں۔ میں پھر ایک بار کہوں گا مسلمانوں کی سیاسی قیادتیں نالائق، بے درد، ظالم اور عیاش ہیں اب وہ اپنی خفت مٹانے کے لئے، لادینیت اور روشن خیالی ایسے نعرے لگا رہے ہیں۔ اللہ کرے مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے لئے فطرت کوئی تحفہ عطا کرے۔ اللہ کے ہاں کوئی چیز ناممکن نہیں۔

آج کے کرزیوں اور مشرفوں کو بھی تاریخ کے نازک لمحات کو آئینہ بنا کر حقیقت کی تصویر دیکھنی ہوگی

بجائے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے زندہ رہ کر مسائل کا حل تلاش کرنا چاہئے

س: ہو سکتا ہے آپ کہیں کہ اسلام میں ملوکیت جائز نہیں تو پھر بنوامیہ کے 90 سال اور بنو عباس کے 500 سال کو آپ کس کھاتے میں ڈالیں گے اور اگر ملوکیت جائز ہے تو پھر خلافتِ راشدہ ہی ماڈل کیوں؟

ج: بنوامیہ اور بنو عباس کو دریا میں پھینکیں۔ اسلام کا مقصودی نظام خلافتِ راشدہ ہی ہے۔ کوئی قبول کرے یا نہ کرے اسلام کی صداقت تاب قدروں کو بدلا نہیں جا سکتا۔ تاہم میں پہلے عرض کر چکا ہوں اسلام میں حکومت کا تصور ہے لیکن یہ ایک شعبہ ہے اگر یہ نہ ہو تو نہیں کہا جا سکتا کہ اسلام نہیں۔ سلام صوفیائے کرام پر جنہوں نے ہر دور میں اسلام کے اعتقادی، روحانی، عملی اور اخلاقی نظام کی حفاظت کی۔ آج بھی صحیح اسلام کی روشن علامت ان ہی کے مخلص اور سچے خادمین ہو سکتے ہیں۔

مسلمانوں کو یورپی ممالک کے اتحاد کے بعد خلافت اسلامیہ کے لئے ضرور سوچنا چاہئے

س: ملوکیت، آمریت کی بات چلی تو مذہبی شخصیات، جماعتوں پر یہ الزام لگتا ہے کہ ہر دور میں ان کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اس کی وضاحت ضرور کریں کہ یہ کتنا سچ اور کس قدر جھوٹ ہے؟

ج: اس قسم کی سوچ ان لوگوں کی ہے جنہوں نے تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا۔ چودہ سو سال سے اولادِ رسول نقابت حق کر رہی ہے اور اسلام کے مخلص خادم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں لگے رہے ہیں۔ بادشاہ پرستی نے فکر و نظر کے زاویے بدلے ہیں اس لئے لادین ماحول میں بچوں کی آواز جیسی محسوس ہوئی ہے لیکن دعوت حق کا سلسلہ جاری ساری ہے۔ کہیں آپ فضل الرحمان اور قاضی کے کردار سے یہ تو نہیں سمجھ بیٹھے کہ ہر دور میں مسلمان ایسے ہی دوغلے رہے ہیں۔

س: اسلام میں لسانیت اور علاقائیت تو ناجائز ٹھہریں مگر پاکستان اور عرب دنیا میں علاقائی اور لسانی تعصب کو آپ کیا کہیں گے اور کیا وطن پرستی کی کوئی گنجائش ہے؟

ج: وطن، علاقے اور زبان سے محبت میں کوئی حرج نہیں لیکن ان چیزوں کو قومیت کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا۔ مسلمانوں کو یورپی ممالک کے اتحاد کے بعد خلافت اسلامیہ کے لئے ضرور سوچنا چاہئے اور نئے حالات میں مسلمانوں کو جینے کے لئے اس قسم کے اقدامات کرنے ہوں گے۔

س: ایک فلسفہ یہ ہے کہ غریب کو دولت دی جائے مگر امیر سے چھینی نہ جائے اسلام اس حوالے سے کیا کہتا ہے؟

ج: اسلام کسی سے چھیننے کی بات نہیں کرتا ہر ایک کا حق دیتا ہے اس میں حلال اور حرام کی قدریں متعین ہیں۔ اسلام کے پورے نظام کو سمجھنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

دھشت گرد مجرم ہیں مگر انہیں دھشت گردی پر مجبور کرنے والے کون ہیں؟

مسلمانوں کی سیاسی قیادت نالائق، ظالم اور عیاش ہے

س: جاگیرداری نظام پر بھی روشنی ڈالیے، دین ملت سے غداری کر کے گورے آقاؤں سے جاگیریں حاصل کرنے والوں کے متعلق آپ کیا کہیں گے اور صنعت کاروں کے اثاثوں کو ان کی محنت کا ثمر کیوں سمجھ لیا جاتا ہے۔ ضرورت سے زیادہ جاگیر اور دولت سمیٹنا کیا جائز ہے جبکہ آس پاس انسان بھوکے مر رہے ہوں؟

ج: اسلام کا اطلاق ہر ایک پر ہوتا ہے۔ میری سوچوں کا انداز جذباتی نہیں نہ کسی کی دولت کا دشمن اور نہ کسی غریب کے مسائل سے بیگانہ۔ ہر ایک سے انصاف ہونا چاہیئے۔ نظام عدل کو اپنانا ہی ہمارے مسائل کا حل ہے۔

س: کیا یہ سچ ہے کہ اس وقت عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام نے غلبہ حاصل کر لیا ہے اور دنیا کو تباہی کے کنارے سرمایہ دارانہ نظام لے جا رہا ہے؟

ج: آپ یہودیوں اور عیسائیوں سے توقع کرتے ہیں کہ وہ اسلام نافذ کریں، کم از کم میں "رجائیت" کے مرض کا شکار نہیں، ہمیں سوچوں کے تعویز اور اعمال کے تحفے پہلے اپنے حلقوں میں تقسیم کرنے چاہئیں۔ آپ نظام سرمایہ داری کی بات کرتے ہیں، ہم دنیا کے کفر سے پریشان ہیں کہ وہ بدمذہبی کی وجہ سے دوزخ خرید رہے ہیں۔

س: پاکستان میں نظام مصطفےٰ ﷺ کا نفاذ کیوں کر ممکن ہے۔۔۔۔۔ اور جو قوتیں یہ نعرہ لے کر میدان عمل میں آئی تھیں اب بھی موجود ہیں۔ ان کی بظاہر کامیابی کے امکانات معدوم کیوں ہیں۔۔۔ فرمایئے، منزل درست ہے اور راستہ متعین ہے تو پھر راہ رو لغزشوں کی زد میں کیوں ہے؟

ج: پاکستان کی مذہبی جماعتیں زیرہ ہیں۔ نہ وہ نظام مصطفےٰ سے مخلص ہیں اور نہ ہی انہوں نے مضبوط بنیادوں پر کام کیا ہے۔ ہم سب کو دودھ دینے والی بھینسیں چاہئیں اور انقلاب اس طرح نہیں آتے۔ یہ سب لوگ پریشر ہیں، کام کرنے والے ہیں یا پھر مختلف سیاسی جماعتوں کے آلہ کار ہیں ایک ایک دو دو سیٹوں کے لئے دین فروشی کرتے ہیں لیکن اللہ کی ذات سے ہم مایوس نہیں۔ نظام مصطفےٰ اگر نافذ ہوا تو ان لوگوں کے ہاتھوں نہیں ہوگا۔

اسلامی حکومت کا سربراہ یا دین اسلام کے نفوذ و اثر کے لیے کوشاں مسلمانوں کا اجماعی امام یہ حق رکھتا ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ کی جتنیں قائم کرے

س: ایک اصطلاح چل رہی ہے "طالبان کا اسلام" آپ کا کیا خیال ہے ہم افغانستان کا حوالہ دیئے بغیر اگر یہ معلوم کریں کہ جو کچھ طالبان نے ملا عمر کی قیادت میں کیا، کیا وہ درست تھا، تو آپ کیا کہیں گے؟

ج: طالبان کی اسلامی سوچ ایسے ہی ہے جیسے سٹیشن پر کھڑے چند جذباتی لوگ سٹیشن ماسٹر کے دفتر پر ٹوٹ پڑیں اور پھر خوش ہوں کہ ریل گاڑی میں ہم اسلام نافذ کر لیں گے۔ مخلص لوگ تھے لیکن حکمتیں صحیح طور پر نہ ہو سکیں، عالمی حالات کا سنجیدہ مطالعہ نہ ہو سکا۔ معاشی منصوبہ بندی نہ ہو سکی۔ ٹیلنٹ رکھنے والے لوگ جمع نہ ہو سکے۔ فیصلوں کی سمت متعین کرنے میں غلطیاں ہو گئیں۔ نئے حالات میں فیصلوں کا رخ بدلنا چاہیئے۔ بجائے ذبح کرنے اور ذبح ہونے کے زندہ رہ کر مسائل کا حل تلاش کرنا چاہیئے ہم لوگ طالبان کے اسلام کے قائل نہیں ہم اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا اسلام مانتے ہیں اور ہمیں اس کی ترویج اور ارتقاء کیلئے کام کرنا ہے۔

مسلمانوں کو دین اسلام پر یقین پیدا کرنا ہو گا، تقابل ادیان بے معنی ہے

امت کی ترقی کو مادی یا عددی پیمانوں سے ماپنا تو لنا درست نہ ہوگا۔ تشکیل امت کی بنیادیں سراسر ایمانی، روحانی، عملی اور فکری ہیں

س: اسامہ، القاعدہ یا ایسی تحریکوں کی کارروائیاں اسلام کا امیج بڑھا رہی ہیں یا بر باد کر رہی ہیں؟

ج: اسلام کا امیج کوئی ٹھنی چیز نہیں کسی کے کچھ کرنے اور نہ کرنے سے اسلام جیسے آفاقی دین پر کچھ اثر نہیں پڑتا ہے۔ جولانگاہ حیات میں

جو ہونا ہے سو ہونا ہے ہمیں عملی مسلمان کی حیثیت سے کوشش کرنی چاہیے۔ بحث وتنقید کا کوئی فائدہ نہیں۔

س: ماضی میں صوفیا عظام نے جو اسلام کی کرنیں روشن کیں اس کی مثال آج کا مبلغ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ایک غریب نواز نے 90 لاکھ انسانوں کو کلمہ توحید پڑھایا۔ جس قافلے سے اتنے بڑے لوگ الگ ہو گئے۔ انہیں تو صدیوں بعد بھی کوئی دہشت گرد نہیں کہتا لیکن میرے دور کے عالم پر یہ طعنہ کیوں کسا جاتا ہے۔ غلطی کہاں پر ہوئی وضاحت فرمائیے؟

ج: اس سوال کے جواب میں صرف اتنا کہوں گا کہ اللہ کا روان انسانیت کو اچھے لوگ نصیب فرمائے۔

س: شاہ جی! آپ ایک بڑے عالم ہیں مگر ہم بھی سوالات ایک مرشد یا زیادہ واضح لفظوں میں ایک پیر سے بھی کر رہے ہیں۔ اس حیثیت میں فرمائیے کہ کیا یہ درست ہے کہ "وہ محفل نہ رہی۔ نہ چراغ محفل اور نہ پروانے" آپ حال اور ماضی میں ربط کو کن لفظوں میں واضح کریں گے۔

ج: سچے تصوف کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس سوال کے جواب میں کچھ نہ کہوں اس لئے کہ تصوف نیکیاں چھپانے اور عیب پوشی کا نام ہے۔ آپ نے جو کچھ کہا وہ قال کا راستہ ہے۔ حال کی راہ نہیں ہے۔

صلاح الدین ایوبی ہماری ضرورت نہیں حسنؓ اور حسینؓ ہماری ضرورت ہیں۔

عمرؓ وعثمانؓ ہمارا اخلاقی آئیڈیل ہیں اور رسول کریم ﷺ کا اسوہ ہم سب کی منزل ہے

س: علم مسلمانوں کی میراث ہے۔ جس کو امت گنوا چکی ہے، کیا آنے والا کل مسلم امہ کے لئے علم کی روشنی لے کر آئے گا یا پھر؟

ج: مسلسل محبت، لگن اور ہمت سے آگے بڑھنا اچھی منزل سے ضرور نوازے گا۔

س: اسلامی نقطہ نظر سے فوج کا سیاست میں کیا کردار ہے۔ کیا ماضی میں فوج کے سپہ سالار ہی صاحبان اقتدار رہے؟ آپ فوج اور سیاست کو جدا جدا کرنے کے قائل ہیں یا غلط ملط کرنے کے؟

ج: اسلامی نقطہ نظر جب بتاؤں گا جب اسلام نافذ ہوگا۔ نظام تو اسلامی ہے نہیں، تو سے آپ اسلام کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ لفظوں کے تناؤ پر معذرت خواہ ہوں۔

س: برطانیہ کا دعویٰ ہے کہ وہ ویلفیئر سٹیٹ ہے۔۔۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج: برطانیہ کے ویلفیئر سٹیٹ ہونے سے مجھے انکار نہیں۔

س: مستشرقین کہتے ہیں، اسلام کے دیئے ہوئے نظام رحمت کی عمر بہت مختصر تھی۔ کسی ایک دن کے پھول جتنی۔۔۔ اور پھر راکھ کے ڈھیر نظر آتے ہیں یا کانٹوں کے انبار، آپ کیا فرماتے ہیں؟

ج: اسلام کو سمجھنے میں کوتاہی ہوئی ہے اسلام اب بھی سمندر کی طرح موجزن اور آفتاب کی طرح روشنی بانٹ رہا ہے انشاءاللہ قیامت تک اس مہتاب کا دودھیا نور سکون کی خیرات بانٹتا رہے گا۔

> مسلمان عددی ہجوم رکھتے ہیں لیکن وہ اپنے سیاسی فیصلے غلط کرتے ہیں، تیاریوں کے انتخاب میں احتیاط کرنی چاہیے

س: آپ نے الیکشن لڑا 44 ہزار ووٹرز نے آپ کے حق میں رائے دی لیکن آپ چند ہزار غیر حمایتی ووٹرز کی رائے کو لے بیٹھے اور خیر محفل کو خیر باد کہہ دیا۔ شاہ جی! آپ نہیں جیتے مگر ان 44 ہزار حمایتی ووٹرز کو کیوں ہمیشہ ہمیشہ کی ہار کے سپرد کر دیا۔ واضح طور پر فرمائیے کہ الیکشن لڑنے کا فیصلہ درست تھا یا چند ہزار ووٹوں سے ہونے والی ہار حوصلہ شکن!

ج: میرے الیکشن لڑنے کا فیصلہ جمعیت علمائے پاکستان نے کیا تھا۔ میں نے اپنی قیادت سے درخواست کی تھی کہ مجھے دو چار سال اور کام کرنے دیا جائے ممکن ہے آپ کو قومی اسمبلی کی 7 نشستوں پر کامیابی دلوا سکوں۔ اس وقت میرا الیکشن لڑنا حکمت عملی کے خلاف ہوگا لیکن میری جماعت کی شوریٰ نے فیصلہ کر دیا اور مجھے ہر حال میں جماعت کا پابند رہنا تھا۔ کل کی طرح آج بھی اپنے ووٹروں کے ساتھ پیار کرتا ہوں، دین کی راہ میں وہ میرا سرمایہ ہے لیکن آپ کو سمجھنا چاہیے کہ دنیا بھر میں مغربی استعماری قوتوں کے دباؤ کے نتیجے میں بعض اسلامی ریاستوں کا شیرازہ بکھیر کر رکھ دیا گیا ہے ایسے میں دینی تبلیغ اور ابلاغ کے لیے نئی حکمت عملیاں اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ میرے لیے یہ بھی المیہ تھا کہ میری جماعت 3 ٹکڑوں میں بٹ گئی، میں قائد ہے زیادہ ایک کارکن ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ دباؤ کی سیاست کرنے کا فائدہ نہیں، اس قسم کی سیاست عام طور پر مادی مفادات حاصل کرنے والے لوگ کرتے ہیں۔ میرے سامنے اسلامی منزل اہم ہے اس کے لیے مجھے دنیا بھر کے مسلمانوں کو رابطہ میں لانا تھا اور اس عظیم مقصد کے لیے جماعت اہل سنت پاکستان میں شمولیت کی اور الحمدللہ مجھے اس میں کامیابی ہوئی یہ

سادی سی بات سمجھ میں آسکتی ہے 44 ہزار سے بیس کروڑ مسلمان زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ مجھے اہل سنت کے فکری نظام کو محفوظ رکھنے اور مربوط رکھنے کے لیے تاریخی اور فکری، عملی اور روحانی محاذ پر سرگرم ہونا تھا الحمدللہ اب محسوس کرتے ہوں گے ایسے ہوا ہے۔

سچے تصوف کا تقاضا یہ ہے کہ میں اس سوال کے جواب میں کچھ نہ کہوں اس لیے کہ تصوف نیکیاں چھپانے اور عیب پوشی کا نام ہے

یہ سب لوگ پریشر میں کام کرنے والے ہیں یا پھر مختلف سیاسی جماعتوں کے اکہ کار ہیں ایک ایک دو دو سیٹوں کے لیے دین فروشی کرتے ہیں

✿ س: آپ اپنے کام کی رفتار سے مطمئن ہیں؟

☆ ج: اللہ کے فضل سے مطمئن ہوں اس لئے کہ میرا سارا کام اللہ کا ذکر ہے اور اگر میں کہوں کہ میں مطمئن نہیں تو مطلب ہوگا میرا قرآن پر ایمان نہیں اللہ کا ذکر دلوں کو اطمینان دیتا ہے۔

✿ س: ایک بار میں پھر سے پوچھنا چاہوں گا کہ پاکستان میں فرقہ واریت کا زہر عام کرنے میں کس کا کتنا کردار ہے؟

☆ ج: فرقہ واریت کی تمام تر ذمہ داری اسلامی حکومتوں پر ہے۔ میں صرف اتنا کہنا چاہوں گا کہ مشرف صاحب نے انقلاب کے فوراً بعد اگرچہ انتہا پسندی کے نام پر استعماری دباؤ میں کچھ لوگوں کے خلاف موثر جنگ لڑی لیکن ایک میکانزم کے ساتھ ملک میں وہابیت کو فروغ دیا۔ انتخابات میں متحدہ کے اندر صرف وہ لوگ انتخاب جیت سکے جو وہابی تھی یا وہابی نواز۔ مولانا نورانی کو رشتہ دار ہونے کا انعام ملا نظریاتی کونسل کا سربراہ تبلیغی جماعت کے صوفی شیر محمد کا بیٹا ڈاکٹر مسعود کو بنا دیا گیا۔ محمود و غازی کو سیکورٹی کونسل کی رکنیت دی گئی۔ اعجاز الحق کو مذہبی امور کی وزارت ملی۔ سندھ کا اقتدار بدترین تبلیغی ارباب رحیم کو ملا۔ پنجاب میں انتہا پسندوں کا مورچہ چوہدریوں کے ہاتھ لگا۔ سرحد میں حکومت ورانی کی بنی۔ یہ سب کچھ پاکستان کے امن پسند سنیوں کے خلاف کیا گیا۔ جماعت اہل سنت چیختی رہی لیکن اس کے مطالبات پر کان نہ دھرے گئے۔ نشتر پارک کا حادثہ ہوا، سینکڑوں لوگوں نے جام شہادت نوش کیا لیکن حکومت سب معاملات پی گئی اور اصل مجرموں کو بچا کر سانحہ کو طاق نسیان میں ڈال دیا۔ سعودی حکومت سے ایران تک اور پاکستان سے قطر کویت تک یہ بات حلفاً کہی جا سکتی ہے کہ فرقہ واریت کے ذمہ دار حکومتی لوگ ہوتے ہیں۔

✿ ✿ ✿

قآنی کی "پریشان" سے سعدی کی "گلستان" تک

حافظ شیخ محمد قاسم

یہ شاہ جی کے قدموں میں بیٹھنے کی برکت ہے کہ ''دلیل راہ'' کے دوبارہ شروع ہونے پر دوستوں کا اصرار ہوا کہ تم مدت مدید تک شاہ جی کے حلقۂ تلمذ وارادت میں رہے ہو کچھ لکھنا شروع کر دو تاکہ یادیں محفوظ ہو جائیں اور دوست محفوظ ہو جائیں۔ احباب جانتے ہیں کہ شاہ جی سے ان کی ذات سے متعلق اس نوعیت کی اجازت لینا کوہ قاف سر کرنے اتنا مشکل کام ہوتا ہے۔ ''برگ گل'' سے نازک طبیعت رکھنے والے شاہ جی کے لئے ''نسیم مزاج'' کا چلنا ضروری ہوتا ہے۔ فرہاد کی طرح میں آہستہ آہستہ ''کوئی'' کرتا رہا۔ بالآخر شاہ جی یہ کہہ کر راضی ہو گئے کہ مجھ پر لکھنا تو ضروری نہیں البتہ تمہارا لکھاری ہونا ضروری ہے۔ پھر حسب معمول بہلا دیا اور فرمایا بے وقوف آدمی چلو اسی بہانے تم لکھنا سیکھ لو گے۔ یہ کہانی ہے ہمارے لکھنے کی۔ ادھر چند حروف کو ترتیب دینا شروع کیا ادھر ایک دوست نے خط لکھ مارا۔

''قاسم! تمہاری تحریر سے شاہ جی کی تحریر کا گمان ہوتا ہے۔ ہم قاسم تمہیں شاہ جی کی وجہ سے پڑھتے ہیں اب ہمیں دلیل راہ پڑھتے ہوئے تمہاری مسکراہٹوں کی طرح تمہارے ترتیب دیئے گئے حروف کا بھی انتظار ہوتا ہے۔ کچھ زیادہ لکھا کرو''۔

دوست کا خط پڑھتے ہوئے مجھے شاہ جی کی بزم تدریس کی ایک اجلی شام یاد آئی۔ ایک خاصہ عرصہ تک شاہ جی بڑے بابا جی اور اماں جی کے مزار پر پاؤں کی جانب بیٹھ کر پڑھاتے تھے۔ ہم شاہ جی سے گلستان کا سبق لے رہے تھے۔ آپ نے فرمایا:

''فارسی زبان کے معروف قصیدہ گو شاعر قاآنی کو گلستان کے مقابلے میں کتاب لکھنے کی سوجھی تھی اور اس نے ایک کتاب لکھ بھی ڈالی تھی۔ ''پریشان'' کا مصنف حبیب قاآنی اپنے دیباچے میں لکھتا ہے ایک دوست کے کہنے پر گلستان کی طرز پر نظم ونثر میں ایک کتاب لکھنا چاہی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسیلمہ کذاب کو نبوت کا دعویٰ کر کے کذاب کے سوا اور کچھ خطاب نہ ملا، گنگوہ کو چمکنا ہے لیکن چاند نی کی برابری نہیں کر سکتا۔ شیخ کی گلستان ایک باغ ہے جس کے ہر پھول کی پتی کے ہزاروں بہشت غلام ہیں اور اہل معنی کی جان قیامت تک اس کی خوشبو سے زندہ ہے۔

یہ تو شاہ جی نے بیان فرمایا میں عرض کروں گا جیسے ''قاآنی کی پریشان'' کا مقابلہ سعدی کی ''گلستان'' سے نہیں کیا جا سکتا ایسے ہی ہمارے پھیکے لفظوں کا مقابلہ شاہ جی کی زندہ تحریروں سے نہیں کیا جا سکتا شاہ جی قلم سے نہیں، دل سے لکھتے ہیں۔

شاہ جی نے کسی روحانی محفل میں فرمایا تھا شیخ کے تصور کو رابطہ کہتے ہیں۔ ہمارے ہاں سلسلہ عالیہ نقشبندیہ میں شیخ کا تصور نہیں کیا جاتا بلکہ ''اسم ذات'' کا تصور کیا جاتا ہے۔ سلوک کی تمام منزلیں اسم باری کی روشنیوں میں طے کی جاتی ہیں۔ بلکہ اگر میں بھولتا نہیں تو آپ نے کسی حوالے سے بعض لوگوں کا یہ مسلک بھی نقل کیا تھا کہ وہ شیخ کے تصور کو شرک گردانتے ہیں اور ایک آدھ حوالہ تصور کے صحیح ہونے کا بھی عنایت فرمایا تھا۔ یہ باتیں تو بڑے لوگوں کی ہیں مجھے جب سے ''یادیں بھی اور باتیں بھی'' لکھنا شروع کیا ایک فائدہ ضرور حاصل ہوا کہ میں صبح شام، شاہ جی کے دھیان میں رہنے لگ گیا ہوں۔ ماضی کا ایک ایک واقعہ ایک ایک کہانی اور ایک ایک داستان بدن میں رس گھولتی ہے لیکن مادام پریشان رہنے لگ گئی ہے کہ تم کھوئے کھوئے رہتے ہو۔ اب میں اسے اور اپنے سینکڑوں قارئین کو کیسے بتاؤں:

''مرشد کا تصور دل اور دماغ دونوں کو دھو دیتا ہے۔ تزکیہ نفس اس سے عبارت ہے۔ یہی یاد الٰہی کا چراغاں کرتا ہے جس کو ملا ہے اسی ریاضت سے ملا ہے۔ سچے مریدوں سے پوچھو وہ اپنے پیروں کے چہروں سے کیا تلاش کرتے ہیں، چہروں میں کچھ تو ہے کہ حضور ﷺ نے خود فرمایا تھا علی ؓ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔''

''یادیں بھی اور باتیں بھی'' لکھنے کا ایک دوسرا فائدہ یہ ہوا کہ میں نے ''خلاصہ کیدانی'' سے لے کر دورہ حدیث شریف تک جو کچھ شاہ جی سے پڑھا اپنی بساط کے مطابق جو یاد داشتیں محفوظ کیں اب پھر انہیں پڑھنے لگا ہوں ایک دن ایک مسئلہ پر رائے دی تو شاہ جی نے مبارک دی قاسم! مبارک ہو اب تمہارے اندر پھر ایک طالب علم بیدار ہوا ہے۔

چند باتیں یاد آئیں آپ نے فرمایا:

حضرت امیر المؤمنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے لوگو! علم حاصل کرو جو شخص علم کا ایک باب بھی حاصل کرے اللہ اسے اپنی ردائے اصطفا اوڑھا دیتا ہے۔ حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں علم کا چاہنے والا رحمت کا چاہنے والا ہوتا ہے۔ شیخ سعدی ایک جگہ لکھتے ہیں مصر میں دو امیر لڑ کے تھے۔ ایک نے علم سیکھا اور دوسرے نے مال جمع کیا۔ نتیجہ ایک ''علامہ'' ہو گیا اور دوسرا بادشاہ بن گیا۔ دولت جمع کرنے والے نے علم کے امین کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوئے کہا میں نے سلطنت پائی اور تو ابھی تک مسکنت میں زندگی گذار رہا ہے۔ علم والے نے کہا اے بھائی! میں نے پیغمبروں کی وراثت پائی اور تو نے ورثہ فرعون تک رسائی حاصل کر لی۔۔۔''

رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں جس شخص نے کسی علم والے کی عزت کی گویا اس نے میری عزت کی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے:

علم والے کے چہرے کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔

رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

تین چیزیں ایمان سے ہیں۔ تنگ دستی میں فی سبیل اللہ خرچ کرنا، عالم دین کو علم کی وجہ سے سلام کرنا اور اپنے ضرر کے باوجود لوگوں سے انصاف کرنا۔

حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

مجھے تین چیزوں سے محبت ہے۔ طویل راتوں میں علم حاصل کرتا رہوں، بڑا بننے سے بچوں اور دل کو دنیا کی محبت سے خالی رکھوں۔

شاہ جی نے فرمایا:

"صرف آرزو سے علم حاصل نہیں ہوتا اس کے لئے ہجرت، محنت، شب بیداری اور اساتذہ کی خدمت اور آدھی رات کو گریہ وزاری کو شعار بنانا پڑتا ہے۔

قارئین! شاہ جی کا معمول ہے کہ ایمز میں ہر سال نئے داخلوں کے موقع پر فضیلت علم پر گفتگو فرماتے ہیں، جس سال میں درس نظامی پڑھنا شروع کیا تھا شاہ جی نے طویل خطبہ علم کی فضیلت پر ارشاد فرمایا تھا۔ ساری باتیں تو محفوظ نہ رہ سکیں۔ چمنستان محبت سے مقدور بھر گل چینی کی ہے دل کرتا ہے پھر سے شاہ جی کی سرپرستی میں ایمز میں داخلہ لے لوں لیکن جتنا زور مارو ماضی حال نہیں بن سکتا۔ اب تو غنیمت ہے صبح اٹھیں تو شاہ جی کی زیارت ہو جاتی ہے۔

✿ ✿ ✿

خوابوں کی حقیقت

ایک تجزیہ

غزالہ شاہد

خواب کے بغیر زندگی ناممکن ہے اس دنیا میں کون شخص ہوگا جو خواب کی حقیقت سے منکر ہو۔ فلسفی حضرات خواب کا میلان ذہنی کارکردگیسے منضبط کرتے ہیں کیونکہ انسانی ذہن کی بنیاد ادراک، احساس اور ارادیت پر ہوتا ہے لہٰذا کسی شخص کو اس چیز کا شعور ہونا ہو لیکن اس کے اندر ہزاروں خواہشات کی کھینچا تانی لگی رہتی ہے۔ ذہن ایک ایسی قوت ہے جو ہمارے تمام افعال کی ذمہ دار ہے اور ہماری ضروریات پوری کرتا ہے۔ اس کے تین حصوں شعور، تحت الشعور اور لاشعور سے ہر پڑھا لکھا آگاہ ہے۔ ماہرین اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ خواب اور نیند کا تعلق بڑی حد تک لاشعوری سے منسلک ہے۔ خواب کے دوران لاشعوری قوتیں سرگرم عمل رہتی ہیں اور تحقیقات سے بھی یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب تک نیند کے دوران خواب نہ دیکھے جائیں ہماری نیند پوری نہیں ہوتی۔ علماء کرام خواب کی ایک لڑی فکر سے ملاتے ہیں۔ حضرت حسن بصری فرمایا کرتے "فکر وہ آئینہ ہے جس کی مدد سے ہم اپنی خوبیوں اور برائیوں کو دیکھ سکتے ہیں"۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فکر کا سرچشمہ دماغ ہے جس کے خلیے فکر کی حالت میں ہی فعال ہوتے ہیں۔ شاید اسی لیے تخیل کو انسانی زندگی میں بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے اور ادب کے فن پارے اور بڑی بڑی ایجادات تخیل ہی کی مرہونِ منت ہیں۔ فلسفیانہ تصورات میں بھی بنیادی حیثیت کا حامل تخیل ہی ہے۔ اوپر دی گئی تمہید کا مقصد یہ باور کروانا ہے کہ خواب درحقیقت انسان کے ذہنی افعال اور اس میں واقع شعوری یا لاشعوری خیالات پر مبنی ہوتے ہیں۔ خواب کا لغوی مفہوم نیند اور سونے کے ہیں جبکہ نفسیات میں اصطلاحی مفہوم وہ تجربات ہیں جو نیند کے دوران میں یا نیند جیسی صورت حال میں اس وقت محسوس ہوتے ہیں جب ہماری شعوری قوتیں قریب قریب کام کرنا بند کر دیتی ہیں۔ عصر حاضر کے لٹریچر کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ ہر شخص کے نزدیک خواب کا مفہوم مختلف ہے اور یہ کہ خواب فرد کے اور اس کی ذات کے متعلق نظریات اور اس کی دنیا کے متعلق شعوری اور لاشعوری نظریات ہیں۔ خواب ہمارے صحیح ترجمان ہوتے ہیں لیکن انہیں سمجھنے کے لیے ایک عاقل اور فن کار شخص کی ضرورت ہوتی ہے۔ خواب چونکہ نیند کی حالت میں ظہور پذیر ہوتے ہیں لہٰذا نیند اور خواب کا آپس میں گہرا تعلق ہے لیکن مسلسل ماضی و حال کی تحقیق کے باوجود نیند اور خواب کا موضوع ہنوز تشنہ ہے۔ اللہ نے نیند کو اپنی بے شمار نعمتوں میں سے ایک نعمت قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے "اور اس کی نشانیوں میں سے ایک تمہارا دن اور رات کا سونا ہے"۔ مشہور ہے کہ سکندر اعظم نے جب دنیا کو فتح کرنے کا ارادہ کیا تو خواب کی تعبیر کرنے والوں کو اپنے پاس رکھنا شروع کیا۔ اسی طرح نصر بخت کے خواب کی تعبیر حضرت دانیال نے کی تھی جس کا ذکر بائبل مقدس میں موجود ہے۔ خدا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو خوابوں کی تعبیر کا خاص ملکہ عطا کیا چنانچہ قید خانے میں انہوں نے اپنے دو ساتھیوں اور بعد میں عزیز مصر کے خواب کی جس انداز میں تشریح کی وہ داستان سے بھی زیادہ دلچسپ ہے۔ خواب سے متعلق یہ بات دلچسپ ہے کہ ہم خواب کے واقعات کی صحت کو کلی طور پر جانچ نہیں سکتے البتہ بیداری کی حالت میں ہم ایک واقع کا دوسرے واقع سے مقابلہ کر سکتے ہیں مگر خواب میں ہماری آنکھیں بند اور ہمارے حواس خوابیدہ ہوتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ خواب ہماری نیند کے محافظ ہوتے ہیں۔ خوابوں کی کئی اقسام ہیں جیسے ڈراؤنے خواب، سچے خواب، وغیرہ مشہور فلسفی فرائڈ خوابوں کو تین اقسام میں تقسیم کرتا ہے جیسے تمنائی خواب، تشویشی خواب، تعزیراتی خواب۔ آیئے! اسلامی نقطہ نظر سے خواب کی اہمیت کو واضح کریں۔

خواب کی حقیقت از روئے قرآن:

قرآن واضح کرتا ہے "اے میرے پروردگار! تو نے مجھے حکمت دی اور خواب کی تعبیر کا علم سکھایا تو ہی آسمان اور زمین کا مالک ہے"

خواب انسانی زندگی کا ایک ایسا وقوعہ ہے کہ فرد کے لیے یہ انتہائی ناممکن ہے کہ وہ خواب دیکھتے ہوئے اس کے بارے میں نہ سوچے۔ اللہ کے نبی پیغمبر اور اولیاء اکرام بھی خواب دیکھا کرتے تھے۔ آنحضرت ﷺ اظہار نبوت سے قبل بھی خواب دیکھتے تھے آپ ﷺ جو واقع جس طرح رات کو خواب میں دیکھتے اسی طرح وہ دن میں رونما ہوتا (رویائے صادقہ)۔ پہلا "سائنٹیفک خواب" وہ ہے جو اللہ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دکھایا (گیارہ ستاروں والا) اور پھر انہیں اس خوابوں کی تعبیر کا علم بھی سکھا دیا۔ الہامی خواب "رویائے صالحہ" اور رویائے صادقہ" ہوتے ہیں لیکن انبیاء کی آنکھیں سوتی ہیں تو بھی ان کے دل بیدار ہوتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ عام انسانوں اور انبیاء میں بہت فرق ہوتا ہے لیکن زندگی میں ہر شخص کو کبھی نہ کبھی سچا خواب ضرور دکھائی دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو رؤیا میں اپنے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا حکم ملا جو کہ آپ کی بڑھاپے کی دعاؤں کا ثمر تھا۔ اسلام میں یہ عقیدہ پایا جاتا ہے کہ انبیاء کا خواب محض خواب نہیں ہوتا بلکہ وہ بھی وحی کی اقسام میں سے ایک قسم ہے۔ ان بیانات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ خواب برحق ہے اور یہ اخبار بالغیب کا ایک ذریعہ ہے۔ اللہ کے برگزیدہ بندوں کے لیے نیند کی حالت میں خواب کی سچائی یا برحق ہونے کی دلیل قرآن پاک سے ثابت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبیوں کے خواب خدا کی وحی ہوتے ہیں حضرت یوسف کے گیارہ ستاروں والے خواب کی تعبیر خواب دیکھنے کے چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ مفتی محمد شفیع اپنے تفسیری بیان میں فرماتے ہیں کہ سب سے اول خواب کی حقیقت اور اس سے معلوم ہونے والے واقعات و اخبار کا درجہ اور مقام ہے۔ تفسیر مظہری میں حضرت قاضی ثناء اللہ نے فرمایا کہ حقیقت خواب کی یہ ہے کہ نفس انسان جب وقت نیند یا بے ہوشی کے سبب ظاہر بدن کی تدبیر سے فارغ ہو جاتا ہے تو اس کو اس کی قوتِ خیالیہ کی راہ سے کچھ صورتیں دکھائی دیتی ہیں اور اسی کا نام خواب ہے۔ آگے لکھتے ہیں کہ خواب کی ایک صورت اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح و صادق ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک قسم کا الہام ہے جو اپنے بندے کو متنبہ کرنے یا خوش خبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے۔ اللہ اپنے خزانہ غیب سے بعض چیزیں اس کے قلب و دماغ میں ڈال دیتے ہیں۔ ایک دینی سکالر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ یہ بات بھی قرآن و حدیث سے ثابت اور تجربات سے معلوم ہے کہ سچے خواب بعض اوقات فاسق، فاجر بلکہ کافر کو بھی آ سکتے ہیں۔ جیسا کہ سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے جیل کے دو ساتھیوں کے خواب اور ان کا سچا ہونا۔ اسی طرح بادشاہ مصر کا خواب اور اس کا سچا ہونا۔ حالانکہ مذکورہ افراد مسلمان نہ تھے ہاں یہ صحیح ہے کہ عام عادۃ اللہ یہی ہے کہ سچے اور نیک لوگوں کے خواب عموماً سچے ہوتے ہیں۔ فساق و فجار کے عموماً خواب شیطانی قسم کے مگر ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ ہمارے آخر الزماں نبی حضرت محمد ﷺ نے خواب (رویائے صادقہ) کو نبوت کا چھیالیسواں حصہ قرار دیا ہے۔ اور جو سورۃ الفتح کی آیت نمبر 27 سے واضح ہے۔ "لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا بالحق" تفسیر ابن کثیر میں حافظ

ابن کثیر لکھتے ہیں "رسول خدا ﷺ نے خواب دیکھا کہ آپ مکہ گئے اور بیت اللہ شریف کا طواف کیا۔ آپ نے اس کا ذکر اپنے اصحاب سے مدینہ شریف میں کیا۔ حدیبیہ والے سال جب آپ عمرے کے ارادے سے چلے تو اس خواب کی بناء پر صحابہ کرام کو یقین کامل تھا کہ اس سفر میں ہم کامیابی کے ساتھ اس خواب کا ظہور دیکھیں گے"۔

مندرجہ بالا بحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ خواب یا رؤیا محض فلسفہ یا نفسیات کا موضوع نہیں بلکہ سب سے پہلے جس کتاب میں رؤیا (خواب) کا ذکر کیا گیا وہ کتاب الٰہی ہے۔

خواب کی حقیقت از روئے حدیث:

حضرت عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رؤیا سے آنکھوں کا دکھاوا مراد ہے جو کہ آنحضرت کو معراج والی رات دکھایا گیا۔ یاد رکھیے کہ رؤیا کے معنی عربی زبان میں "دکھاوا" کے ہیں۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ تمام خواب انسانی تخیل کی کارفرمائی نہیں ہوتے بلکہ بعض خواب سچے بھی ہوتے ہیں جو انبیاء اور اللہ کے نیک اور برگزیدہ بندوں کا خاصہ ہیں۔ اسی لیے آنحضرت ﷺ نے سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ کہا۔ ابن قیم اپنی تحریر میں لکھتے ہیں "وحی کا آغاز رؤیائے صادقہ سے ہوا۔ روایت ہے کہ چھ ماہ تک یہی حالت رہی اس کے بعد نبوت سے سرفراز ہوئے۔ آپ ﷺ خواب میں جو کچھ دیکھتے وہ بال بال ٹھیک نکلتا۔ لہٰذا قرآن و حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ "دل جو کچھ دیکھتا ہے اس میں کبھی جھوٹ ثابت نہیں ہوتا"۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں "قدرت اپنی عجائب آفرینیوں کے لیے انسانی توجیہات کا انتظار نہیں کرتی"۔ گویا خواب کا معمہ حل کرنا عام انسان کا کام نہیں بلکہ اس کا سلسلہ تو اخبار الغیب سے بھی ملتا ہے۔ اسی وجہ سے آنحضور ﷺ نے ایسے خوابوں کو بیان فرماتے وقت ان کی تاویل و تشریح نہیں کی کیونکہ سچے خواب نبوت کا حصہ ہیں اور مومن کا خواب برحق ہوتا ہے جو من جانب اللہ ہیں۔ ایسے خوابوں کی مذہبی حیثیت ہے لہٰذا ان خوابوں کی حقیقت یا اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

ایک حدیث میں فرمایا گیا کہ سچے خواب اللہ کی جانب سے ہیں گویا ان کے وقوع پذیر ہونے پر یقین رکھنا ضروری ہے۔ دوسری حدیث میں ساتھ یہ بھی فرما دیا گیا کہ برا خواب شیطان کی طرف سے ہے کہ وہ انسانی ذہن میں اوہام اور وسوسے لا کر اسے پریشان کرتا ہے اور یہی پریشانی خواب کی صورت میں نیند میں در آتی ہے۔ برے خواب کے متعلق یہ بھی وضاحت فرما دی گئی کہ صرف کسی قابل اعتماد دوست یا علم تعبیر کے ماہر کو بتاؤ۔ کسی شر پسند شخص کو نہ سناؤ کہ وہ تو اپنی عادت کی وجہ سے شر پھیلائے گا اور پریشان کن تعبیر دے گا۔

احادیث سے یہ بات ثابت ہے کہ اچھے خواب فضیلت کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ جھوٹے خواب بیان کرنے کی مذمت کی گئی ہے اور یہاں تک کہا گیا کہ خواب کو جھوٹ بیان کرنا گویا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ ہمارے مذہبی عقیدے کے مطابق آنحضور ﷺ کا خواب میں دیدار برحق ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے خود فرمایا کہ جس نے مجھے خواب میں دیکھا اس نے مجھے دیکھا کیونکہ شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا۔

ان تمام حقائق کی روشنی میں ہمیں چاہیے کہ اپنی زندگیوں میں اصلاح لائیں، سچی اور کھری زندگی سکون کی حامل ہوتی ہے جسے اللہ کا عرفان اور نبی ﷺ کی معاونت نصیب ہوتی ہے۔ ایسی شخصیت کے خواب بھی اس کی ذات کے نمائندے بن جاتے ہیں کیونکہ خوابوں کی حقیقت سے انحراف ممکن نہیں کہ یہ تو قرآن و سنت سے ثابت ہیں اور ہماری زندگی میں روز روشن کی طرح عیاں۔ خدا ہمیں اچھے اور نیک اعمال والا بنا دے کہ ہمارے خواب بھی ہمارے کردار اور سیرت کے ترجمان بن جائیں (آمین)

✿ ✿ ✿

پُرانی طرز کا ایک خوبصورت انسان

علامہ عبدالحکیم شرف قادریؒ

سید ریاض حسین شاہ

برصغیر کی تقسیم کے بعد علم و حکمت، نعت و ادب اور تبلیغ و دعوت کے اُفق پر جو نام چمکے ان میں ایک تابندہ نام عبدالحکیم شرف قادری کا ہے۔ مولانا دھیمے مزاج کے مضبوط اور موثر محقق اور قلم کار تھے۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار معاشرہ قدر و منزلت سے شناسائی پیدا نہیں ہونے دیتا لیکن قدر ناشناسی کے بے مہر رویوں کے باوجود شرف قادری کی آواز میں توانائی تھی۔ آپ کا خاندان ہجرت کر کے پاکستان میں سکونت پذیر ہوا تھا اس لئے آپ آزادی کی قیمت صحیح معنوں میں جانتے تھے۔ انہیں تاریخ کے ان موقعوں، زاویوں اور تیوروں سے آگاہی تھی کہ قومیں بنتی کس طرح ہیں اور زوال کا شکار کیوں ہوتی ہیں۔ عبدالحکیم شرف قادری سے پہلے لکھا بھی جاتا تھا اور پڑھایا بھی جاتا تھا لیکن فکری انتشار نے قلم کاروں کے لفظوں کو بکھیر کر رکھ دیا تھا۔ ادب اور حکمت افراط اور تفریط کا شکار تھے۔ جس سے محبت ہوئی اسے ہشت جہات کا دولہا بنا دیا اور جس سے نفرت کا کوئی قرینہ پیدا ہو گیا اسے ''اسفل السافلین'' میں گاڑھ دیا۔ عبدالحکیم شرف قادری نے اپنی فکر کو بکھرنے سے محفوظ رکھا۔ ذہنی اور نظریاتی یکسوئی نے تحقیقی موضوعات کے انتخاب میں ان کی مدد کی اصل بات یہ ہے کہ ان کا فکری مرشد کامل تھا۔ علامہ شرف قادری کو احمد رضا فاضل بریلوی سے جنوں کی حد تک محبت اور عقیدت تھی لیکن وہ ان کی حمایت میں استدلال کا دامن کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔ ان کے لہجے کے ٹھہراؤ نے ان کی خطابت اور تدریس دونوں کو باوقار بنا دیا تھا۔ منطق اور الٰہیات پڑھانے والے لوگ اکثر محبت کے سچے جذبوں اور ادراکات سے محروم ہو جاتے ہیں اور آہستہ آہستہ ان لوگوں کے ہاں جمالیاتی سرچشمے خشک ہو جاتے ہیں لیکن عبدالحکیم شرف قادری نے اپنے اندر کے انسان کو زندہ رکھا، انہوں نے جس سے محبت کی اس میں کوئی شرط نہ رکھی۔ انہوں نے سفید پوشی میں زندگی گذاری لیکن کسی کی دہلیز سے روٹی کی بھیک نہ مانگی۔ تدریس کے عوض آپ کی جو خدمت ہوئی وہ اتنی معمولی تھی کہ شاید اس کا بیان کرنا شرمندگی ہو۔ وہ جیئے جینے کے لئے اور موت قبول کی زندہ رہنے کے لئے۔

> قدر ناشناسی کے بے مہر رویوں کے باوجود شرف قادری کی آواز میں توانائی تھی

شرف قادری محقق، مفسر، مؤرخ، محدث بہت کچھ تھے لیکن عجز طبعیت اور انکسارِ مزاج نے انہیں ہاؤ سے ہمیشہ دور رکھا، صوفیوں کی طرح پڑھایا، حکماء کی طرح بولے اور اساتذہ کی طرح تصوف کی جستجو میں نور کی دہلیز سے اقتباس فیض کیا۔ لکھا اور ماشاء اللہ خوب لکھا، عربی، فارسی اور اردو ہر زبان میں لگتا ہے کہ وہ لکھ کے بھول جاتے تھے، مدح ستائش کی پروا نہ صلہ و انعام سے غرض۔ گلابوں کی طرح مہکتے لفظوں کا قاسم کبھی برستا گرجتا بھی اور لہجوں میں برق پارے ابھر آتے لیکن یہ اکثر وہاں ہوتا جب کبھی کوئی گستاخ شان رسالت میں تنقیص کرتا۔

علامہ شرف قادری کو احمد رضا فاضل بریلوی سے جنوں کی حد تک محبت اور عقیدت تھی

عبدالحکیم شرف قادری زندگی کے آخری سانس تک جماعت اہلسنت پاکستان سے وابستہ رہے۔ تبلیغ و تعلیم کے شعبہ کی سربراہی آپ کے ذمہ تھی۔ جماعت کا تعارف آپ ہی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے۔ جماعتی زندگی میں آپ نے احتساب بھی کیا لیکن پھول جیسے شاخوں میں کھلنے لگے اور مشورے بھی دیے جو یقیناً راہ نواز ثابت ہوئے۔

جماعت اہلسنت چند محسنوں کی وجہ سے جب داخلی انتشار کا شکار ہوئی۔ ایک اجلاس میں شرف قادری نے پوچھا ماجرا کیا ہے؟

راقم نے برجستہ حبیب جالب کا انقلابی کلام پڑھا

بولنے پہ پابندی
سوچنے پہ تعزیریں
پاؤں پہ غلامی کی
آج بھی ہیں زنجیریں
آج حرف آخر ہے
بات چند لوگوں کی
اٹھ کہ درد مندوں کے
صبح و شام بدلو بھی
دوستوں کو پہچانو
دشمنوں کو پہچانو
دس کروڑ انسانو!

شرف فرمانے لگے جالب کی کیا ضرورت ہے آپ کا اپنا کلام کافی ہے" شاہ جی ہم جو بھی ہیں جماعت کے ہیں ہم سے بس کام لو" جماعت اہلسنت کے تربیتی اجتماعات میں آپ بار ہا تشریف لائے، مذاکرات، مکالمات اور معاملات "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" کا حق ادا کیا۔

ایک موقع پر حضرت کو اداس پایا پوچھی بات ہے کہ شہر نور میں ان کا حزن و ملال پسند نہ آیا۔ شرف قادری چونکہ دوست بھی تھے اس لئے پوچھنے کی جسارت کی، اداس لمحوں کی کہانی کیا ہے آپ نے ابن عربی کے ایک رسالے کا حوالہ دیا جو فخر رازی کے نام ارسال کیا گیا جس میں ابن عربی نے رازی کے علوم اور فنون میں مہارت کو تسلیم کیا اور کہا بھائی اصطلاح پرستی کی دنیا سے آگے نکلو اور جزئیات کی چھان بین میں عمر ضائع نہ کرو مقصود اصلی کی طرف بڑھو۔

عبد الحکیم شرف قادری فرمانے لگے زندگی علماء اور شخصیات کی دنیا میں کھو کر گذار دی۔ تاریخ کی سنگلاخ وادیوں میں صحرا نوردی کرتا رہا دعا کرو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کی خدمت لے لے۔

لگتا ہے شرف قادری کی آخری زندگی اُمید، جستجو اور تلاش میں بسر ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نواز دیا اور اپنی کتاب کی خدمت ان سے لے لی۔

عبدالحکیم شرف قادری سخاوت اور کرم کے میدان میں کیسے تھے؟

جس نے دولت کو نفرت کی حد تک خود سے دور رکھا ہو اور زندگی دکھ اور درد میں کاٹی ہو غربت اور افلاس نے اسے اپنے آہنی شکنجے میں کس کر رکھا ہو وہ سخاوت کے میدان میں امتحان دیے بغیر فوز المرام ہوتا ہے۔ ہاں استثنا ضرور ہے کہ عبد الحکیم شرف قادری دوستی میں "کنجوس" تھے۔ احتیاط سے دوستی کرتے تھے۔ جس شخص کی زندگی میں نہ چاندنی کا تصور ہو اور نہ زلف برہم سے کھیلنے کا رومان۔ قرطاس و قلم ہی اس کا چوبارہ، مفہوم و معنی ہی اس کا شاہد شگفتہ رو اور تحقیق و جستجو ہی اس کا نغمہ و شگفتگی ہو اس نے دوستی سے کیا لینا دینا تھا۔ ان پر غضب ادواؤں نے عبدالحکیم شرف قادری کو پاکباز زاہد متقی اور عاشق صادق بنا دیا تھا۔

عظمت و شہرت کے آسمانوں پر بیٹھنے والے زعما، علماء اور دانشور قوموں کو بہت کچھ دیتے ہیں لیکن بعض اوقات ان کی باتوں اور فلسفوں سے ان کی کہنائیاں لمبی ہو جاتی ہیں۔ عبدالحکیم شرف قادری بڑا انسان تھا عظیم عالم اور مدبر ادیب ہونے کی عزت پائی تھی۔ بڑی بات یہ ہے کہ اپنے بعد کاٹنے ڈسنے والی کوئی کہانی نہیں چھوڑی کہا جا سکتا ہے وہ خوشبوؤں اور روشنیوں سے ملتا جلتا انسان تھا۔

سید فرنور کی عربی تصنیف "من نفحات الخلود" کا ترجمہ کیا تو میرے مشورے سے اردو میں "زندہ خوشبوئیں" نام رکھا اور فرمایا اس پر

اس قدر پڑھا لکھا انسان کس قدر
نسبتوں کا قدر داں لگتا ہے اب
تو "تیری نسل پاک میں" کہنے
والے احمد رضا کے ماننے والوں نے
فکری قبلے بدل لئے ہیں

دیباچہ بھی آپ لکھیں۔ میں نے عرض کی شرف صاحب! میں چھوٹا آدمی ہوں آپ کسی بڑے قلمکار، ادیب اور محقق سے ''کلمات تقدیم'' لکھوائیں فرمانے لگے لیکن ایک بات آپ میں ہے جو آپ ہی میں ہے آپ سید ہیں اور آل رسول ہیں۔'' آپ کے حروف کا اظہار میرے لئے نجات کی سند ہوگی''۔ اس قدر پڑھا لکھا انسان کس قدر نسبتوں کا قدرداں لگتا ہے اب تو ''تیری نسل پاک میں'' کہنے والے احمد رضا کے ماننے والوں نے فکری قبلے بدل لیے ہیں۔

''شاہ جی ہم جو بھی ہیں جماعت کے ہیں ہم سے بس کام لو''

کبھی کبھی عزیز فاضل اور ادیب کامل ممتاز کی عربی اردو تحریریں پڑھتا ہوں تو شرف قادری کی تربیت اور ''ممتاز وسلیم'' کی دینی ریاضتیں یاد آتی ہیں تو ساتھ ہی سعدی کسی گوشہ فکر میں زمزمہ سرا ہو جاتے ہیں

ندانی کہ سعدی مکان از چہ یافت
نہ ہاموں نوشت و دریا شگافت
بخردی بخرد از بزرگاں قفا
خدادارش اندر بزرگی صفا

عبدالحکیم شرف قادری ایک مرتبہ جستجو کی انگیٹھی سلگا کر میرے پاس تشریف فرما ہوئے سنا ہے ''حدیث نور'' والا ''مصنف عبدالرزاق'' کا نسخہ آپ کے پاس ہے کیا یہ روایت درست ہے؟ عرض کی کتاب تو میرے پاس نہیں البتہ جامعہ اسلامیہ مدینۃ المنورہ کے مکتبہ میں زیارت کی ہے۔ کتاب تو بعدازاں دوبئی سے چھپ کر قدردانوں کے ہاتھ لگ گئی لیکن پیرانہ سالی ضعف، بیماری اور غربت میں نگر نگر حضور ﷺ کی حدیث کی جستجو میں جانا اسلاف کی تاریخ یاد دلاتا ہے۔

مجھے شرف اس دن بہت اچھے لگے تھے جب میں نے انہیں چند پگڑی پوشوں میں داتا کے حرم میں دیکھا تھا، گردن جھکائے بیٹھے تھے، سامنے مرقد داتا کے حضور ایک افغانی ہیئت کا قلندر نما شخص جذب وجنوں میں کچھ پڑھ رہا تھا یا گا رہا تھا اور سماع کی دنیا سے دور رہنے والا شرف جھوم رہا تھا۔ بڑے عرصہ بعد یہ راز کھلا شرف کے لئے وہ مزار داتا بھی تھا اور اس کے لئے وہ جگہ مشہد الفت بھی تھی۔ جہاں سے ہزاروں مرثیہ خوانوں اور دلفگاروں کے ہجوم میں ان کا جنازہ اٹھنا تھا۔ کتنا سچا تھا وہ شخص جس کا جنازہ داتا کے قدموں سے اٹھا۔

عبدالحکیم شرف قادری نے ممکن ہے دوسرے لوگوں کو بھی تحفوں سے نوازا ہوگا لیکن مجھے ان کی سوغات نہیں بھولتی۔ آپ جس زمانے میں ہری پور جامعہ اسلامیہ رحمانیہ میں صدر مدرس تھے میں ہائی سکول نمبر 1 میں زیر تعلیم تھا مجھے آپ کی اقتدا میں نماز جمعہ پڑھنے کی سعادت ملی۔ جب آپ کو پتہ چلا کہ میں درس نظامی کی بعض مشکل کتابیں پڑھ چکا ہوں تو آپ نے مجھے غزالی کی ''المنقذ من الضلال'' عطا فرمائی اور خط کشیدہ عبارت کو خصوصیت کے ساتھ پڑھنے کی دعوت دی لکھا تھا:

''صوفیاء کا طریقہ علم کا بھی ہے اور عمل کا بھی ان کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ نفس کی خواہشات کو ترک کیا جائے اور اخلاق رذیلہ اور صفات خبیثہ سے اپنے آپ کو دور رکھا جائے کوشش کی اس راہ میں دل کی یہ کیفیت ہو کہ اس میں اللہ کے سوا کسی کا تصور نہ رہے اور دل ہمہ دم ذکر الٰہی میں کھو کر روشنی پاتا رہے۔''

عبدالحکیم شرف قادری قانع انسان تھے۔ خودی کے وقار کو قائم رکھ کر زندگی بسر کی۔ زمانے کی ستم رانیوں اور سختیوں کا کبھی شکوہ نہ کیا۔ ذوق و شوق کے چشمے زندگی میں خشک نہ ہونے دیے۔ بے تعلقی، وارفتگی اور باریک بینی کا سرمایہ جمع رکھا۔ حضور قلب اور ذکر الٰہی کے تنویرات سے تنہائی کو منور اور آراستہ کیا۔ بڑا مشکل کام ہوتا ہے کہ منطق وفلسفہ لوگوں کے ذہنوں میں اتار دیا جائے اور اپنے دل کو سودائے عشق سے محروم نہ ہونے دیا جائے۔ ان کا منشور حیات یقیناً ان کے لئے نافع ثابت ہوا۔

نام نیک رفتگاں ضائع مکن
تا بماند نام نیکت پائیدار

کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بنا رہا ہوں

جواد بلوچ

61 ہجری، ماہ محرم اور دشتِ کربلا میں خانوادۂ رسالت سربلندی دینِ اسلام کی خاطر باطل سے برسرِ پیکار۔ نبی رحمت ﷺ پیغمبر اسلام کے نواسہ کے مدمقابل وہ لوگ کہ جو مسلمان بھی اور حافظِ قرآن بھی، پانچ وقت کے نمازی بھی اور اذان میں "اشھد ان محمد رسول اللّٰہ" کا اقرار کرنے والے بھی مگر اہل بیت محمد ﷺ سے بغض رکھنے والے اور اُن کے خون کے پیاسے اگر دیکھا جائے تو اُس دور میں بظاہر ارکینِ اسلام پر کسی بھی قسم کی پابندی نہ تھی، نہ کوئی نماز سے روکتا تھا، نہ حج پر پابندی تھی، نہ روزہ اور زکوٰۃ پر کوئی قدغن تھی، گویا بظاہر اسلام کے کسی بھی رکن پر پابندی نہ تھی تو پھر کون سی ایسی وجہ تھی کہ جس سے نواسۂ رسول ﷺ، جگر گوشۂ بتول کو مجبور کیا کہ وہ یزید کے خلاف اٹھ کھڑا ہونے کا اعلان کریں۔ نہ صرف قیام کریں بلکہ کسی بھی قسم کی قربانی سے دریغ نہ کریں۔ یقیناً وجہ یہ تھی کہ ظاہری حالت تو شعارِ اسلامی کی تھی مگر باطن لہولہو تھا، شراب پی کر منبر و محراب سے بولا جاتا۔

چشمِ فلک نے آج تک ایسے سپاہی نہیں دیکھے ہوں گے کہ جنہیں یقین ہو کہ اس جنگ میں اپنے خون کے نذرانے عطا کرنے ہوں گے مگر پھر بھی وہ ثابت قدم ہوں۔ سپہ سالار کہہ رہا ہو "تم میں سے جو جانا چاہے وہ چلا جائے میں تم سے راضی ہوں" مگر کوئی بھی جانے کے لیے تیار نہ ہو، بلکہ ہر کوئی خواہش کے ساتھ ہو کہ سب سے پہلے وہ راہِ حق میں اپنے خون کا نذرانہ پیش کرے، ہر کوئی شہادت کا متمنی ہو۔

اگرچہ فیصلے تو مقدر کے ہوتے ہیں مگر انسان کی نیت بھی ایک گہرا اثر رکھتی ہے۔ میدانِ کربلا میں دو کرداروں کے نقوش ایسے ہیں کہ جو مقدر کے حوالے سے پہچانے جاتے ہیں۔ اُن میں سے ایک کو تاریخ ضحاک مشرقی کے نام سے اور دوسرے کو حُر کے نام سے پہچانتی ہے۔ اول الذکر وہ ہے جو کربلا میں نواسۂ رسول ﷺ کے ساتھ آیا بھوک، پیاس برداشت کی روزِ عاشورہ میدان میں گیا اور لڑائی بھی کی، زخمی بھی ہوا مگر جب وقتِ عصر آیا تو یہ شخص شہنشاہِ کربلا کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کی "مولا آپ اس وقت کربلا میں تنہا ہیں اور میرا وجود آپ کو فائدہ نہیں پہنچا سکتا، حسبِ وعدہ آپ مجھے اجازت دیجیے" گویا یہ شخص عین اُس لمحے سبطِ نبی کو تنہا چھوڑ گیا کہ جب "ھل من ناصر ینصرنا" کی صدا بلند ہوئی اور دوسرا کردار حُر کا ہے کہ جو لشکرِ یزید کا ایک سپہ سالار تھا، حضرت امام حسین کو کربلا میں قیام کرنے پر مجبور کرنے والا اور امامِ عالی مقام کا راستہ روکنے والا بھی یہی تھا۔ لشکرِ یزید میں ایک مقام کا حامل تھا اس کے لیے ایک ہزار ریشم کا خیمہ لگتا تھا مگر روزِ عاشورہ عین جنگ کے وقت یہ لشکرِ یزید کو چھوڑ کر امام حسین کی سپاہ میں شامل ہو گیا اور شہید ہوا۔

یعنی کہ مقدر کے ساتھ ساتھ کوشش کا بھی اپنا کردار ہے فرق صرف ظاہری حالات کا نہیں بلکہ حقیقی اور باطنی حالت کا ہے۔ دورِ یزید میں سب کچھ ظاہر طور پر اسلامی رنگ میں ڈھلا ہوا تھا مگر اُس کی روح مجروح تھی اگر ولید بن عتبہ گورنر مدینہ کے دربار میں امام حسین کے خطبہ کو پڑھا جائے تو آپ ارشاد فرماتے ہیں "ہم اہل بیتِ نبوت ہیں، ہمارا گھر ملائکہ کی آمد کا مقام ہے، جبکہ یزید ایک فاسق، شرابی اور علی الاعلان گناہ کرنے والا شخص ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ امام حسین اُس کی بیعت کرلے"۔

گویا کہ امامِ عالی مقام کے قیام کی وجوہات میں سے حکمرانوں کا کردار بھی ہے۔ دورِ حاضر میں بھی اگر اپنے گرد و پیش پر نگاہ کروں تو مجھے احساس ہوتا ہے کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی اقدار مجروح ہیں، روشن خیالی ایک ناسور بن کر معاشرے کی اخلاقی قدروں کو کمزور کر رہی ہے، عیش و مستی، ظلم و ستم، شرارت و وحشت، جور و جفا بڑھتا جا رہا ہے۔ حکمرانوں کا کردار یزیدی مزاج کا نمائندہ ہے۔ علم و عرفان کے مرکز کمزور اور سرکاری مُلا اور ایجنسیوں کے پالتو لوگ مذہبی لبادہ اوڑھ کر محراب و منبر سے درگاہ تک اِن کے شیطانی شکنجہ میں ہیں۔ حکومتی پالیسیاں لادینیت اور فسق و فجور سے مزین اور یہودی و صہیونی احکام کے تابع۔ رمضان کی پرنور ساعتوں کے سرکاری ٹی وی PTV نے جتنی بھی نعتیں ریکارڈ کی اُن کے ساتھ میوزک لازمی قرار دیا گیا۔ پی ٹی وی کی پالیسی کے مطابق پورے رمضان میں کوئی نعت ایسی نہیں تھی کہ جس کے پس منظر میں میوزک نہ دیا گیا ہو۔ سرکاری سطح پر گلوکار حضرات کی جتنی پذیرائی موجودہ دور میں کی جارہی ہے اُس کی بھی ماضی میں مثال نہیں ملتی ہے۔

اگرچہ نماز، روزہ، حج پر پابندی نہیں البتہ دورِ یزیدی کی طرح فقط ظاہری صورتحال ہی ٹھیک ہے ورنہ تو اندرونی طور پر کمزور تر ہے۔ سرکاری سطح پر ایسے لوگوں کو علماء کے طور پر پیش کیا جارہا ہے کہ اُن کے افعالِ قبیح اور اسلام دشمن افعال و اقوال مسلمان معاشرے کے لیے زہر قاتل ہیں ایک موصوف تو اسرائیل کی سیر بھی کر آئے اور بڑی ڈھٹائی سے اسلام کی بات بھی کرتے ہیں اور دوسری طرف یہودیوں کو بوسے بھی دے آئے۔ پاکستان میں گذشتہ چند ماہ میں خود ساختہ اور حکومتی پروردہ مولویوں کی کتابوں کا ایک سیلاب آگیا ہے اور حکومتی پیسہ سے چھپنے والی یہ کتابیں اختلافی مسائل میں مبنی ہیں اور مفت ہی تقسیم کی جاتی ہیں۔ ایک فرقہ کو تو امریکہ کی طرف سے مدارس میں گاڑیاں اور فنڈز مہیا کیے گئے۔ رسول عربی ﷺ کی غلامی کا قلادہ گلے میں ڈال کر فخر کرنے والے آج یہود و ہنود کی خوشنودی کے لیے کوشاں۔ اسلام دشمن قوتوں کے دسترخوان پر پلنے والوں نے جتنا نقصان پہنچایا ہے اُن کا ازالہ کرنا ممکن نہیں ہے۔ مختلف ملکوں کی طرف سے ملنے والے ایجنڈے پر عمل

درآمد کروانے والے مولویوں اور دوسرے ممالک کے قونصل خانوں سے باقاعدہ فنڈز پانے والے مولوی ہی اس انتشار کی اصل وجہ ہیں۔ بے بہا دولت اور میڈیا کا سہارا لے کر نوجوان نسل کو علماء سے اور مشائخ سے اتنا دور کر دیا ہے کہ اسلام اُن کے رہن سہن سے نکل کر ورثہ بنتا جا رہا ہے مگر کوئی روکنے والا نہیں۔

ایک اسلامی معاشرے کے خدوخال کو بگاڑنے کے لیے اور واسطوں کو کمزور کرنے کے لیے استعمار اپنی تمام قوتوں کو بروئے کار لا رہا ہے۔ ہم اِس کے مقابل اس لیے نہیں کہ کچھ تو اپنوں کی غداریاں اور کچھ غیروں کی مکاریاں ہیں پھر حملہ چہار اطراف سے ہے۔ اسلامی اقدار پر، روحانی سلسلوں پر، ثقافت پر، سیاست پر، کاروبار پر غرض کچھ بھی اس حملہ سے بچا نہیں۔ اخلاقیات اور دینیات کمزور تر ہو گئی۔ ایک وسیع طبقہ مولوی کا نام سن کر ہی گالیاں دینے پر اتر آتا ہے اس کے ذمہ دار سرکاری علماء، غربت، چوری، ڈاکہ اتنا کہ ہر کوئی پریشان، اس کے ذمہ دار سرکاری ذمہ داران اور ایوان کے مالک، شہروں کے اربابِ بست و کشاد۔ اسلام اتنا مظلوم کہ اب تو اس کے مخالفین کے سامنے کوئی سپر بھی نہیں۔ کہاں وہ کربلا کہ چھ ماہ کے علی اصغر سے عمر رسیدہ حبیب ابنِ مظاہر تک سب کے سب میدانِ عمل میں کہاں دورِ حاضر میں ہر شخص گھر میں محوِ استراحت۔

دینی محافل اور روحانی حلقے لوگوں کو قریب لانے اور دلوں کی طہارت کے مخزن تھے۔ اس کے خلاف استعمار بھی ایک بڑی چال چل گیا۔ میں نے ایک دوست کو کسی محفل کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ وہاں جانے کا کیا فائدہ یہیں گھر بیٹھ جاؤ ابھی کیبل پر آ جائے گی یہاں بیٹھ کر سن لیں گے گویا کہ اجتماعات کو کم کیا گیا۔

یہ نہ اچانک ہوا اور نہ بلا سوچے سمجھے بلکہ یہ سب مربوط ذریعے اور مضبوط نیٹ ورک کے ذریعے ہوا ہے اور ہم جانے انجانے میں اس کا حصہ بنتے چلے گئے اور پھر ظالم حکمرانوں کے ہاتھوں میں دولت کے پجاریوں کی ڈور چلی گئی اور ان کٹھ پتلیوں نے معاشرے کے چہرے کے نقوش بدل ڈالے اور پھر حالات ایسے دگرگوں کہ کوئی بھی بولنے کی جرات کرے تو قطع زبان کا حکم جاری۔ عدالت، سیاست، صحافت، شرافت کچھ بھی تو ان ظالم حکمرانوں کے ہاتھ سے محفوظ نہیں ہے۔ ہر طرف افراتفری ہے اور بقائے وجود کی جنگ ہے جب کہ ضمیر اور روح کب کی ابدی نیند سو چکی ہے۔ ضرورت ہے اُس منزل پر آنے کی اُس پلیٹ فارم کی طرف جانے کی کہ جو جانِ عالم رحمۃ اللعالمین پیغمبرِ اسلام محبوبِ خدا ﷺ کی تعلیمات اور ذکر و فکر کی منزل ہے اپنے دلوں کی طہارت اور ارادوں کی پختگی کے لیے درِ مصطفیٰ ﷺ سے ارتباط لازم ہے ورنہ فقط نام کے مسلمان رہ جانے والی بات ہے:

امیرِ شہر کی نگاہ میں یہ بھی اک بغاوت ہے
کاغذ کے سپاہی کاٹ کر لشکر بنا رہا ہوں

✿ ✿ ✿

دینی مسائل اور ان کا حل

"مسائل دین و دنیا" کے عنوان کے تحت قارئین کرام کے ان سوالات کے جوابات قرآن و سنت کی روشنی میں پیش کیے جاتے ہیں جو کارزار حیات میں مختلف اعمال و افعال کی بجا آوری کے دوران انسانی ذہن میں پیدا ہوتے رہتے ہیں اور پھر ذہنی و روحانی الجھنوں کا باعث بنتے ہیں۔ آپ کو بھی کوئی الجھن درپیش ہو یا ذہن کے نہاں خانے میں کوئی سوال پیدا ہو کر پریشان کر رہا ہو تو فوراً لکھیے آپ کو انشاء اللہ تعالیٰ اس سوال کا شافی و کافی جواب دیا جائے گا۔

محمد لیاقت علی مفتی

سوال: عورتوں کی جماعت بارے شرعی حکم کیا ہے؟ کیا عورت امامت کروا سکتی ہے؟ اگر کروائے گی تو کس طرح؟

جواب: اس سوال کے تین حصے ہیں۔ پہلا حصہ عورتوں کی جماعت بارے ہے۔ عورتیں باجماعت نمازوں میں شرکت کر سکتی ہیں اور مساجد میں مردامام کی اقتدا میں ان کا نماز پڑھنا دور رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ رہا سوال کا دوسرا حصہ کہ کیا عورت امامت کروا سکتی ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کی امامت مکروہ تحریمی ہے۔ اگر صرف عورتیں جمع ہوں تو انہیں چاہیئے کہ بغیر جماعت کے نماز پڑھیں۔ اگر کبھی کوئی عورت امامت کروائے گی تو وہ باقی مقتدی عورتوں کے آگے نہیں کھڑی ہوگی بلکہ ان کے درمیان کھڑی ہوگی جو بذات خود ایک مکروہ امر ہے۔ صاحب ہدایہ کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

"ویکرہ للنساء ان یصلین وحدھن الجماعۃ لانھا لا تخلو عن ارتکاب محرم وھو قیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراۃ وان فعلن قامت الامام وسطھن"

"اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ وہ بغیر مردوں کے باجماعت نماز ادا کریں کیونکہ ایسا کرنا ایک ممنوع امر سے خالی نہ ہوگا اور وہ امام کا صف کے درمیان کھڑا ہونا ہے لہٰذا یہ مکروہ ہوگا جیسے ننگے لوگوں کی جماعت مکروہ ہوتی ہے اور اگر وہ ایسا کریں تو امام ان کے وسط میں کھڑی ہوگی"

یاد رہے کہ بعض لوگوں کی جانب سے اس معاملے میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی امامت والی روایت بطور دلیل پیش کی جاتی ہے۔ کہ انہوں نے عورتوں کی امامت فرمائی اس کا جواب صاحب ہدایہ نے یوں دیا:

"وحمل فعلھا الجماعۃ علی ابتداء الاسلام" "اور ان کے فعل جماعت کو ابتداء اسلام پر محمول کیا گیا ہے" یعنی ابتدائے اسلام میں اپنی ضرورتوں کے تحت ایسا کیا گیا بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا۔

رہا یہ سوال کہ جماعت کی صورت میں عورت مرد امام کی طرح آگے کھڑی کیوں نہ ہوگی تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کی نماز میں اصل آداب انتہائی پردے کے ساتھ نماز ادا کرنا ہے اور اگر ایک عورت اکیلی الگ سے آگے کھڑی ہوگی تو یہ پردے اور ستر کے خلاف ہونے کی وجہ سے مکروہ ہوگا۔" ولان فی التقدم زیادۃ الکشف" اور اس لئے کہ آگے کھڑے ہونے میں بے پردگی زیادہ ہے"

سوال: ہمارے ہاں مساجد میں شب برأت اور شب قدر وغیرہ میں صلوٰۃ التسبیح اور دیگر نوافل باجماعت ادا کیے جاتے ہیں بعض لوگ اس فعل کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔ اصل شرعی حکم کیا ہے؟

جواب: بغیر دعوت واعلان کے لوگ جمع ہو گئے ہوں تو نوافل باجماعت ادا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ حضور رسالت مآب ﷺ سے ایسا کرنا ثابت ہے۔ بخاری شریف کتاب الصلوۃ باب صلوۃ النوافل جماعۃ میں حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ کی تفصیلی روایت نقل کی ہے۔ جب رسول اللہ ﷺ ان کی خواہش پر حضرت عتبان رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی سرکار ﷺ کے ہمراہ تھے۔ اور وقت اشراق کے بعد دن کے خوب روشن ہو جانے کا تھا۔ حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا "این تحب ان اصلی من بیتک" تم اپنے گھر کی کس جگہ پسند کرو گے کہ میں نماز پڑھوں انہوں نے جگہ بتائی تو حضور علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوئے حضرت عتبان فرماتے ہیں "وصففنا وراءہ فصلی رکعتین ثم سلم وسلمنا حین سلم" اور ہم نے حضور علیہ السلام کے پیچھے صف بنالی حضور علیہ السلام نے دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیرا اور ہم نے بھی اسی وقت سلام پھیرا جب حضور علیہ السلام نے سلام پھیرا۔ اس کے بعد پوری تفصیلی روایت بیان کی جو بخاری شریف کے مذکورہ باب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ اس حدیث سے یہ حکم واضح ہوا کہ باجماعت نوافل ادا کرنا جائز ہے۔ البتہ نوافل کی جماعت علی سبیل التداعی یعنی اس کا اعلان مکروہ ہوگا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب خود اللہ تعالیٰ نے نوافل پڑھنے اور نہ پڑھنے میں بندے کو بااختیار بنایا ہے چاہے پڑھے چاہے نہ پڑھے تو ایک انسان از خود کسی کو نوافل کے لئے کیسے پابند کر سکتا ہے لہٰذا نوافل کے اعلانات وغیرہ سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

سوال: بعض لوگ اپنے بہتے ہوئے دانتوں کو مضبوط کرنے یا پھر ٹیڑھے دانتوں کو سیدھا کرنے کے لئے دانتوں کو دھات کی تار سے باندھ دیتے ہیں۔ کیا ایسی صورت میں ایسا کرنے والے کا غسل ہو جائے گا جبکہ پانی تار کے نیچے نہ پہنچ سکا؟

جواب: شریعت مطہرہ کا ایک معروف قاعدہ ہے کہ "الحرج مدفوع" تکلیف کو شریعت میں دور کر دیا گیا ہے۔ مذکورہ صورت میں اگر ہر بار تار کے کھولنے کا حکم لگایا جائے تو اس سے ایک تو تار باندھنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے اور دوسرا بار بار ایسا کرنے میں انتہائی تکلیف بھی ہے لہٰذا مذکورہ قاعدے کے تحت یہی کہا جائے گا کہ اس کا غسل ہو جاتا ہے اگر وہ تار کے اوپر ہی اچھی طرح پانی بہا دے۔ اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان فاضل بریلویؒ نے فتاویٰ میں تقریباً اکیس صورتیں ایسی لکھی ہیں جن میں غسل ہو جاتا ہے ان اکیس میں سے ایک یہ صورت مسؤلہ بھی ہے۔

الفاظ فتاوٰی یہ ہیں "اقول ہلتا ہوا دانت اگر تار سے جکڑا ہو معاف ہونی چاہیئے۔ اگر چہ پانی تار کے نیچے نہ بہے کہ بار بار کھولنا ضرر دے گا نہ اس سے ہر وقت بندش ہوسکے گی"۔

✿ سوال: ایک آدمی نے حج کے ارادے سے کچھ رقم جمع کر رکھی تھی۔ اس نے حج کے لئے درخواست دی نام نہ نکلا اس رقم پر سال گزر گیا کیا ایسی صورت میں زکوٰۃ دینی لازمی ہے؟

☆ جواب: حج کے لئے درکار رقم نصاب زکوٰۃ سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے اور وہ یقیناً حاجات اصلیہ سے زائد ہوتی ہے۔ لہٰذا اس رقم پر سال گزر جانے کی صورت میں زکوٰۃ فرض ہو جائے گی۔

✿ سوال: کیا عورت اپنے دیور کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے؟ نیز وہ کونسے رشتے دار ہیں جن کے ساتھ سفر حج کیا جاسکتا ہے؟

☆ جواب: عورت کے سفر حج کے لئے محرم کا ساتھ ہونا شرط ہے بغیر محرم کے عورت حج نہیں کرسکتی۔ محرم رشتے دار یہ ہیں: خاوند، باپ (اسی طرح دادا پردادا وغیرہ اس کے اصول)، بیٹا (ایسے ہی نواسہ، پوتا وغیرہ اس کے فروع)، بھتیجا، بھانجا، سسر، ماموں، چچا، رضاعی باپ۔ ان کے علاوہ کسی کے ساتھ بھی سفر حج پر عورت نہیں جاسکتی چاہے وہ دیور ہی کیوں نہ ہو۔

✿ سوال: ایک آدمی نے اپنی بیوی کو طلاق معلق دیتے ہوئے کہا "اگر تو سکول گئی تو تجھے تین طلاقیں ہیں" ایسی صورت میں طلاق کا کیا حکم ہو گا اور اگر وہ طلاق سے بچنا چاہے تو کیا کرے؟

☆ جواب: طلاق معلق کی صورت میں جب بھی شرط پائی جائے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ صورت مذکورہ میں اس کی بیوی جب بھی سکول جائے گی طلاق واقع ہو جائے گی۔ طلاق مغلظہ سے بچنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ وجود شرط سے پہلے ہی خاوند اپنی بیوی کو ایک طلاق رجعی دے پھر اس پر عدت گزار دے۔ دوبارہ نکاح سے پہلے وہ عورت سکول چلی جائے۔ اس طرح شرط تو پائی گئی مگر چونکہ عدت گزر جانے کے باعث نکاح ختم ہو گیا تھا لہٰذا طلاق واقع نہ ہوگی اور تعلیق بھی باطل ہو جائے گی اس کے سکول جانے کے بعد خاوند دوبارہ نکاح کر لے اب چونکہ تعلیق باطل ہو چکی ہے لہٰذا اس کے بعد وہ سکول آجا سکتی ہے مزید طلاق واقع نہ ہوگی۔

فقہ حنفی کی معتبر کتاب "کنز الدقائق" باب "تعلیق الطلاق" میں ہے:

"و زوال الملک لا یبطل الیمین فان وجد الشرط فی الملک طلقت و انحلت والا لا و انحلت"

"اور ملک کا زائل ہو جانا (یعنی نکاح کا ختم ہو جانا) قسم کو باطل نہیں کرتا سو اگر شرط ملک میں پائی گئی تو طلاق ہو جائے گی اور شرط ملک میں نہ پائے جانے کی صورت میں طلاق تو واقع نہ ہوگی البتہ قسم اس صورت میں بھی پوری ہو جائے گی"۔

✿ ✿ ✿

یورپ میں دینی اقدار کی حفاظت

صاحبزادہ حسنات احمد مرتضےٰ

یورپ میں ہر مذہب کے پیروکار رہتے ہیں۔ مختلف مذاہب والے اپنی مذہبی رسومات کو اپنے اپنے دائرہ کار میں نبھاتے ہیں کچھ لوگ آزادی کے قائل ہیں۔ بلکہ یہاں بہت سے مذاہب کو ماننے والے بھی اپنے آپکو مذہب کی پابندیوں سے آزاد جانتے ہیں۔ انکے نزدیک مذہبی رسومات کو نبھانا ضروری نہیں، شاید انکے نزدیک چند لوگوں کا مذہبی طور طریقوں کو اپنا لینا کافی ہوتا ہے۔ وہ لوگ جنکو یورپ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے یا اسکے بارے وسیع معلومات رکھتے ہیں ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہاں کے رہنے والے کس قدر مذہب سے دور اور آزادی کے پرستار ہیں۔ لباس، رہن سہن، چلنے پھرنے کے انداز کو ایک نظر دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ کس مشرب کے ہیں؟ ان کے شہروں، گلیوں اور گھروں میں کس طرز حیات کو اپنایا جاتا ہوگا! ایسے میں مسلمانوں کو پیش آنے والے مسائل کا ادراک کیا جا سکتا ہے، مذہبی رسومات سے دوری اور آزادی کے باوجود بعض ایسی باتیں ہیں جو دنیا میں ان کی ظاہری ترقی کا سبب ہیں۔

دیار غیر میں مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان کثیر تعداد میں رہتے ہیں۔ برطانیہ میں پاکستانی اور جرمنی میں ترک مسلمانوں کی خاصی تعداد ہے بلکہ برطانیہ کے برمنگھم، بریڈفورڈ، وغیرہ علاقوں کو (منی) چھوٹا پاکستان اور جرمنی کے دارالحکومت برلین کو دوسرا استنبول کہا جاتا ہے۔ بہت سے عربی اور افریقی ممالک سے تعلق رکھنے والے مسلمان بھی یہاں آکر آباد ہو چکے ہیں بلکہ گزشتہ برس استاد محترم مفسر قرآن، مفکر اسلام علامہ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے دورہ یورپ کے دوران بیلجیم میں محمد آصف پراچہ کی رہائشگاہ پر فرمایا، گفتگو کا مفہوم کچھ یوں تھا ''اللہ تعالیٰ کی قدرت دیکھیے! اپنے وطنوں سے لوگ رزق کی خاطر یورپ آتے ہیں کہ کچھ عرصہ روزی کمانے کے بعد واپس چلے جائیں گے مگر وقت گزرنے کے ساتھ یہاں ہی خاندان اور بچوں کے ساتھ زندگی بیتنے لگی، اگلی نسل یہاں کی ہو کر رہ گئی، پھر مذہبی ضروریات کی تکمیل کے لئے مساجد کا قیام، محافل کا اہتمام، علماء ومشائخ کی آمد، لوگوں کے اسلام قبول کرنے کا سلسلہ آگے بڑھتا جا رہا ہے اور انشاء اللہ مزید بڑھتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ اپنے ممالک میں وسیع اور وافر رزق دینے پر قادر ہے۔ لیکن روزی کے بہانے آنے والوں سے کیا کیا دینی کام لینا ہے؟ ان حکمتوں کو وہی جانتا ہے کہ اس کو کب، کہاں اور کیا منظور ہے۔

یہاں کے رہنے والے مسلمانوں کو دینی اقدار کی حفاظت اور نئی نسل کی تربیت کے لئے خاصی جدوجہد کرنا پڑتی ہے حالیہ چند سالوں میں اسلامی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے خاصے اہتمامات کئے گئے ہیں یہی وجہ ہے کہ گزشتہ ایک دو، دہائیوں کا جائزہ لیا جائے تو آ میں بہت سے اسلامک سنٹرز اور مساجد کا قیام ہوا۔ ایک رپورٹ کے مطابق جرمنی میں چوبیس سو سے زائد مساجد ہیں۔ ان میں زیادہ ترکی مساجد ہیں۔ عربی، پاکستانی اور دیگر مساجد محدود ہیں۔ ہر ملک کے باشندے اپنی زبان میں خطبہ سننے کو ترجیح دیتے ہیں تاکہ فہم دین آسان ہو۔ اسی نظریے سے اس دہائی میں جو پاکستانی مساجد قائم ہوئی ان میں ایک شیخ منیر اور انکے رفقا کے زیر انتظام اسٹٹ گارڈ میں ہے جس کی افتتاحی تقریب میں جماعت اہلسنت کے مرکزی ناظم اعلیٰ سید ریاض حسین شاہ صاحب نے خصوصی شرکت کی۔ کوبلنز میں ابھی چند ماہ پہلے مسجد کے لئے عمارت خریدی گئی ہے، عمارت خریدنے کے بعد قبلہ شاہ صاحب نے مولانا عبدالواحد صاحب کی گذارش پر موقع پر جا کر دعا کی۔ پہلے کرائے کی عمارت میں مسجد قائم تھی۔ اسی طرح برلین، ہمبرگ، فرینکفرٹ، اوفن باغ، ولیس باڈن، شافن برگ، ایسن اور نیورن برگ میں پاکستانی مساجد قائم ہیں جب کہ میونخ میں نئی مسجد کے قیام کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ یورپ کی مساجد میں افطاری کے وقت ایک قابل دید نظارہ ہوتا ہے۔ ہر مسجد میں افطاری کے لئے وسیع انتظام کیا جاتا ہے۔ یہاں کی مساجد میں دفتر، کمپیوٹر، ویب سائٹ اور کچن کا اہتمام ضرور کیا جاتا ہے۔

مساجد کے ساتھ گھروں میں بھی محافل کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اپنے گھروں میں عبادات اور محافل کا اہتمام کرنے والوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس میں سرفہرست چوہدری محمد طارق صاحب ہیں۔ ہر باذوق شخص جناب طارق صاحب کو انکے اعلیٰ ذوق، دینی جذبے کی داد وتحسین ضرور دے گا۔ اس لئے کہ انہوں نے اپنے گھر میں ایک بہت بڑا ہال میلاد شریف کے لئے تعمیر کیا ہے جب کہ یہاں رہنے کے لئے بھی چھوٹے چھوٹے گھر ہوتے ہیں زیادہ تر لوگ کرائے کے گھروں میں رہتے ہیں۔ ایسے ماحول میں بڑا گھر اور پھر دل کھول کر محبوب ﷺ کے میلاد شریف کے لئے اہتمام کرنا۔ بلکہ جرمنی میں نمائندہ محفل میلاد کے اہتمام کی سعادت بھی طارق صاحب کو ہوتی ہے اس محفل کے لئے طارق صاحب سال بھر تیاری کرتے ہیں لوگوں کو دعوت دیتے ہیں دور ونزدیک سے غلامان رسول ﷺ اس محفل میں شریک ہوتے ہیں۔ گزشتہ سال سے طارق صاحب اپنے گھر میں نماز تراویح کا اہتمام کرتے ہیں قاری مظفر صاحب قرآن مجید نماز تراویح میں سنانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ طارق صاحب ہر ماہ باقاعدہ گیارھویں شریف کا اہتمام بھی کرتے ہیں اور اپنے بزرگوں کے طریقے کے مطابق محفل ذکر کا اہتمام کرتے ہیں۔ جناب طارق کا کہنا ہے کہ میلاد شریف کی برکتوں سے اللہ تعالیٰ نے مجھے نوازا

ہے۔ یہ سب کچھ میلاد کی برکتوں سے ہے بلاشک وشبہ جو محبوب کریم ﷺ کی جتنی تعظیم کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ اس کو نوازتا ہے۔

اٹلی سے راجہ خادم حسین صاحب کے مطابق رمضان کی بابرکت گھڑیوں میں محمد نعیم صاحب نے نیا گھر خریدا تو افتتاحی میلاد شریف اور افطاری کا اہتمام کیا اسی طرح رمضان کی رحمتوں کے حصول کے لئے حاجی زمان صاحب، رضوان صاحب اور راجہ خادم حسین صاحب کے گھروں میں میلاد شریف اور افطاری کا اہتما ہوا۔ جن میں ظہیر الدین احمد، راجہ خلیل، ریاست علی اور شاہد نسیم نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ ان تمام محافل میں راجہ خادم حسین نے نقابت کی۔ اٹلی میں اکثر کانفرنسز میں راجہ صاحب ہی نقابت کے فرائض سرانجام دیتے ہیں۔

✿ ✿ ✿

شاہ جی کا درسِ حکمت

ڈاکٹر منظور حسین اختر

نبی اکرم ﷺ نے جہاں شعبان المعظم کو "شعبان شہری" قرار دے کر رفعت و بلندی عطا فرمائی وہاں اس کی 15 ویں رات "شب برأت" کو ان گنت عظمتوں کی حامل قرار دیا۔ یہ وہ رات ہے جس میں اللہ اپنی رحمتوں سے نزول اجلال فرماتا ہے اور امتِ مصطفےٰ ﷺ کو بخشش کے پروانے عطا کئے جاتے ہیں۔ جو شخص اس رات کو جاگ کر زندہ کرے اس کا دل کبھی موت کے شکنجے میں نہیں آئے گا۔ حضور ﷺ خود بھی اس رات کو خصوصی اہتمام کے ساتھ اللہ کی عبادت کرتے اور امت کو بھی اس رات جاگنے کا سبق دیتے۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام اس رات کو خصوصی اہتمام کے ساتھ گذارتا ہے۔ ہر مسلمان کی کوشش ہوتی ہے کہ اس رات کو گذشتہ گناہوں کا کفارہ بنایا جائے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا حاصل کی جائے، حسب سابق امسال بھی ہمارا پروگرام شاہ جی کے ساتھ شب برأت گذارنے کا تھا۔ ایک طرف شب برأت کی عظمتیں اور دوسری طرف خون رسول کی رفعتیں، ادھر شب برأت کی نورانی ساعتیں اور اُدھر نسبتِ رسول ﷺ کی جگمگاتی ضیائیں۔ یک نہ شد دو شد۔ اور آقا حضور ﷺ کی حدیث پاک کہ "جس نے کسی متقی عالم دین کے ساتھ نماز پڑھی گویا اس نے میرے (محمد ﷺ) ساتھ نماز پڑھی۔" چنانچہ ایک سید زادے کی وساطت سے شب برأت کی برکتوں کو سمیٹنے کے لئے ہم اتفاق مسجد روانہ ہوئے۔ ہمارا خیال تھا کہ مسجد کے ہال میں نہیں تو کم از کم برآمدے میں جگہ مل ہی جائے گی لیکن وہاں پہنچنے پر نہایت خوشگوار حیرت ہوئی کہ مسجد کا ہال، برآمدہ اور وسیع گراؤنڈ کے علاوہ اوپر والا بڑا ہال بھی شاہ جی کے دیوانوں سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ محفل شروع ہو چکی تھی اور نعت رسول مقبول ﷺ کا سلسلہ جاری تھا۔ محمد بہاؤالدین نہایت سادگی کے ساتھ اور بغیر کسی ملمع سازی کے معزز نعت خوانوں کو دعوت سخن دے رہے تھے۔ کچھ دیر کے بعد نعت خوانی کا سلسلہ ختم ہوا تو بغیر کسی اعلان کے شاہ جی قبلہ کے عربی خطبہ کی مسحور کن آواز سنائی دی۔ یوں محسوس ہوا جیسے ہمارا مقصد حل ہوا چاہتا ہے، ہماری ساعتوں کو منزل ملنے والی ہے اور ہمارے افکار و خیالات کو صحیح راہ دکھائی دینے لگی ہے۔ ہمہ تن گوش ہو کر سننے لگے۔ شاہ صاحب نے اپنی گفتگو کا آغاز عظیم صوفی بزرگ حضرت بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے قول سے کیا۔ اور اس کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ آج کل ساری دنیا میں اس بات کا اقرار کیا جا رہا ہے کہ حقیقی اسلام صوفیاء کرام کا اسلام ہی ہے۔ کیونکہ ہم نے دیکھا ہے کہ محققین تحقیق کرتے رہے، لکھنے والے لکھتے رہے، بولنے والے کروٹ پہ کروٹ لیتے رہے، ایک نسل دوسری نسل کی گود میں دم توڑتی رہی لیکن غلبہ صرف اور صرف صوفیاء کو ہی نصیب ہوا۔ آج ارسطو کا نام زندہ ہے لیکن اس کی تعلیمات اور اس کی باتیں نہ جانے کدھر گئیں۔ لیکن صوفیائے اسلام کا جھنڈا نازک سے نازک دور میں بھی سرنگوں نہ ہو سکا۔ آیئے دیکھیں کہ صوفیاء کی زندگی میں ایسی کیا چیز ہے کہ سب داتا داتا کر رہے ہیں، سب بابا فرید فرید کر رہے ہیں۔ صاحبو! انسانیت اور اسلامیت اگر سیکھنی ہے تو ان درویشوں کے پاس آؤ۔ اسلام تذلیل انسانیت کا نام نہیں، خون خواری اور قتل کو اسلام کا نام نہ دیں۔ اسلام تو محبت کا دین ہے۔

جس نے کسی متقی عالم دین کے ساتھ نماز پڑھی گویا اس نے میرے ساتھ نماز پڑھی

صاحبو! تلوار گلے کاٹتی ہے لیکن دلوں میں گھر نہیں کرتی۔ آج شب برأت میں کچھ ایسا اہتمام کرو کہ دلوں سے نفرت ختم ہو جائے اور پیار لوٹ آئے

بابا فرید الدینؒ نے فرمایا کہ ہم درویش لوگوں کی زندگی گذارنے کے پانچ اصول ہیں۔

پہلا اصول: محبت

بابا فرماتے ہیں کہ ہم محبت کرتے ہیں۔ محبت کس سے؟ اللہ سے، اللہ کے رسول سے، آلِ رسول سے، اصحابِ رسول سے، اللہ والوں سے، بندگانِ خدا سے، نیکی سے، اللہ کی مخلوق سے اور انسانوں سے۔

دوستو! یہی وجہ ہے کہ صوفیاء جہاں بھی گئے تلوار یں ساتھ لے کر نہیں گئے بلکہ وہ تو پھٹے پرانے کپڑے پہنے بستیوں میں داخل ہوئے اور پھر بستیوں کی تاریخ بدل دی۔ اسلامی معاشرت کی تشکیل میں صوفیاء نے ایسا کردار ادا کیا کہ ان کی تاریخ اسلام کی تاریخ بن گئی۔ خواجہ غریب نوازؒ نے جب اجمیر شریف میں قدم رنجہ فرمایا آپ نے گھاس کی چٹائی اور سر پر ٹیلوں کی ٹوپی پہن رکھی تھی۔ آپ جب کسی بستی میں جاتے تو

آج کی رات ڈاکٹر عبد القدیر خان کے لئے بھی دعا کرو کہ اللہ اس کی تکالیف کو دور کرے

ساتھ کھانا لے جاتے اور وہاں موجود بھوکوں کو کھانا کھلاتے۔ چاہے وہ ہندو، سکھ ہی کیوں نہ ہوتے۔ وہ لوگ پوچھتے کہ آپ کون ہو؟ آپ فرماتے کہ میں مسلمان ہوں، وہ کہتے کہ ہم تو سکھ ہیں، ہندو ہیں، غیر مسلم ہیں۔ آپ فرماتے کہ میں نے تم سے مذہب نہیں پوچھا میں تو تمہاری خدمت کے لئے آیا ہوں۔ بابا نے لوگوں کے پسینہ کو اپنے دامن سے صاف کیا، انہیں کھانا کھلایا، ان کے قبیوں کے سر پر ہاتھ رکھا، ضرورت مندوں کی خدمت کی اور پھر ایک وقت ایسا آیا کہ 90 لاکھ ہندوں نے کہا بابا! جو کلمہ آپ پڑھانا چاہتے ہو پڑھا دو۔

صوفیاء وہ لوگ ہیں کہ جن گلیوں سے گزرے، جن کوچوں سے گزرے، اور جن بستیوں سے گزرے وہاں محبت بانٹی۔

صاحبو! تلوار گلے کاٹتی ہے لیکن دلوں میں گھر نہیں کرتی۔ آج شب برأت میں کچھ ایسا اہتمام کرو کہ دلوں سے نفرت ختم ہو جائے اور پیار لوٹ آئے اگر محبت لوٹ آئی تو اللہ کی رحمت تمہیں بانہوں میں اٹھا کر محمد عربی ﷺ کے قدموں میں بٹھا دے گی۔

آج کی رات ڈاکٹر عبد القدیر خان کے لئے بھی دعا کرو کہ اللہ اس کی تکالیف کو دور کرے۔ اس نے ہماری قوم کو بہت کچھ دیا ہے۔ اس نے شہاب الدین غوری کا مزار تعمیر کیا۔ وہیں پر میری اُن سے ملاقات ہوئی میں نے پوچھا کہ خان صاحب آپ ادھر کیا کر رہے ہیں؟ کہنے لگے کہ میں تو غریب نواز کا نوکر ہوں۔ اور ان کے ایک نوکر کا مزار بنایا ہے۔ اور میں بہت متاثر ہوں کہ شہاب الدین غوری تو ہندوستان سے شکست کھا کر واپس آ گیا تھا اور انتقام کا سوچتا رہتا تھا لیکن سمجھ نہ آتی۔ بالآخر اجمیر کے غریب نواز نے اسے کہا کہ پہلے تم خود آئے تھے لیکن اب میں تمہیں بلاتا ہوں اللہ تعالیٰ ہندوستان کی چابیاں تمہیں عطا فرمادے گا۔

بابا فرماتے ہیں کہ ہم توبہ کرتے ہیں اور پھر ساری عمر اس توبہ کی حفاظت کرتے ہیں

دوسرا اصول: گناہوں پر توبہ

بابا فرید الدینؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء گناہوں پر توبہ کرتے ہیں۔ معصیت پر اڑتے نہیں ہیں۔ شیخ کی خدمت میں حاضر ہو کر گناہوں سے توبہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ! ہمارے گناہوں کو معاف فرمادے۔ توبہ دردیشوں اور فقیروں کا سرمایہ ہے۔ صوفیاء اپنے ضمیر کے دروازے پر ہمیشہ دستک دیتے ہیں اور سوچتے ہیں کہ ہماری زندگی کیسی گذر رہی ہے۔ کہیں ہم سے کوئی کوتاہی تو سرزد نہیں ہوئی۔ بابا فرماتے ہیں کہ ہم توبہ کرتے ہیں اور پھر ساری عمر اس توبہ کی حفاظت کرتے ہیں۔

دوستو! توبہ جس جگہ بھی کی جائے اللہ قبول فرماتا ہے۔ لیکن صحابہ کا طریقہ کیا تھا؟ وہ توبہ کیسے کرتے تھے؟ آیئے ایک حدیث سنیئے! ایک وفد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ حضور ﷺ کا شانہ رحمت سے باہر آئے۔ حدیث کے راوی نے حضور ﷺ کا حلیہ بھی بیان کیا ہے۔ فرمایا کہ حضور ﷺ کے سر مبارک پر سیاہ عمامہ شریف تھا اور آپ ﷺ نے سرخ عبا پہنی ہوئی تھی۔ اس وقت حضرت ابو ہریرہ ؓ اور حضرت حسان بن ثابت ؓ دونوں نے اپنے اپنے انداز میں حضور ﷺ کی تعریف بیان کی۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے فرمایا کہ حضور ﷺ کا حُسن ایسے لگا جیسے آسمان کا سورج اتر کر چہرہ رسول ﷺ میں آ گیا ہو یعنی اتنی روشنی تھی۔ اور حضرت حسان بن ثابت ؓ نے فرمایا کہ مصطفےٰ کریم ﷺ کے چہرے میں اتنی چمک تھی۔ اتنی دمک تھی، اتنی روشنی تھی، اتنی درخشندگی تھی، اتنی تابندگی تھی، اور اتنی زیبائی تھی کہ جیسے چہرہ آئینے کا ٹکڑا ہو۔ آپ فرماتے ہیں کہ دیواروں کا عکس حضور ﷺ کے چہرہ مبارک میں نظر آ رہا تھا۔ حضور ﷺ تشریف فرما ہوئے تو وفد کے لوگ سمٹ کر حضور ﷺ کے قریب ہو گئے۔ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے بعض مومن ہیں اور بعض اسلام نہیں لائے۔ تو جو اسلام نہیں لائے ان کو کلمہ پڑھا دیں اور ان کو توبہ کروا دیں۔ تو لوگ آگے بڑھے اور حضور ﷺ کے مبارک ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیا۔ حضور ﷺ نے ہاتھ پکڑنے تو ایک آدمی کھڑا ہوا اور عرض کی کہ یا رسول

صاحبو! معلوم ہوا کہ ہر مصیبت میں حضور ﷺ ہی نے کام آنا ہے

حضور ﷺ کا حُسن ایسے لگا جیسے آسمان کا سورج اتر کر چہرہ رسول ﷺ میں آ گیا ہو

اللہ ﷺ ہمارے گاؤں میں ایک پرانا معبد ہے، کنیسہ ہے۔ ہم سارے مسلمان ہوگئے ہیں تو اب اس کا کیا کریں؟ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسجد بنا لینا۔ ایک نے عرض کی کہ حضور ﷺ وہ جگہ پہلے عیسائی مذہب کی عبادت گاہ تھی اب اس میں نماز پڑھنے کا مزہ نہ آئے گا۔ کیونکہ حضور ﷺ آپ نے تو اس میں قدم رکھے ہی نہیں۔ حضور ﷺ نے اپنے خادم حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ کو آواز دی اور کہا میرے وضو کا پانی لاؤ۔ چھاگل (مشکیزہ) میں پانی پیش کیا گیا۔ حضور ﷺ نے ہاتھ دھوئے اور منہ میں پانی ڈال کر مشکیزہ میں ڈال دیا۔ اور اسے پانی سے بھرنے کا حکم دیا۔ پھر اس وفد کے لوگوں سے کہا کہ اسے لے جاؤ راستے میں پیاس لگے تو یہی پانی پینا۔ انہوں نے عرض کی کہ یارسول اللہ ﷺ چھوٹی سی چھاگل ہے پانی تو ختم ہو جائے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا سارے پانی ختم ہو جائیں گے لیکن یہ لعاب دہن والا پانی ختم نہ ہوگا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا گھر پہنچ کر اس کنیسہ کو جب مسجد بنالو تو امام والی جگہ پر اس پانی کو چھڑک دینا اور پھر اس میں نماز پڑھنا۔ تمہیں اس مسجد میں بھی مسجد نبوی کا مزہ آئے گا۔

صاحبو! یہاں رکیئے! میں اس حدیث کی روشنی میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا حضور ﷺ کے صحابہ اُدھر ہی توبہ نہیں کر سکتے تھے؟ وہ حضور ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ کیوں دیتے تھے؟ ایسا بھی بارہا ہوا کہ صحابہ حضور ﷺ کے قدموں پر ہاتھ رکھ دیتے اور حضور ﷺ ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے۔ کیا منٰی میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ نے حضور ﷺ کے قدم نہیں پکڑے تھے؟ پھر خود ہی اس کا نقشہ کھینچتے ہوئے فرمایا کہ ''میں نے حضور ﷺ کے مبارک پاؤں ایسے پکڑے کہ پہلے انگلیوں کے ساتھ تلووں کو ملا اور ملنے کے بعد انگلیوں کو دبایا۔ حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے عرض کیا حضور ﷺ آپ کے پاؤں سے ٹھنڈک مل رہی ہے، خوشبو مل رہی ہے۔ ایسے معطر پاؤں کہ کسی کافور میں بھی ایسی خوشبو نہ ہوگی۔'' صحابہ کا پاؤں پکڑنا اور حضور ﷺ کا صحابہ کو ہاتھوں میں لے لینے کی وجہ بیان کرتے ہوئے امام قشیری لکھتے ہیں کہ بچہ دوڑتا دوڑتا ماں کے قدموں میں گرتا ہے اور ماں اسے اٹھا کر اپنی بانہوں میں لے لیتی ہے تو دراصل صحابہ کہتے کہ یارسول اللہ ﷺ ہم قدموں میں گرنے کے لئے آئے ہیں اور مصطفےٰ کریم ﷺ فرماتے کہ میں نے تمہیں رحمت کی بانہوں میں اٹھالیا ہے۔ گویا یہ سبق ہے کہ توبہ کرنے والے اب غم نہ کرنا کہ توبہ قبول نہ ہوگی، جس کا ہاتھ محمد مصطفےٰ ﷺ پکڑلیں، پھر چھوڑا نہیں کرتے اور پھر اسے تنہا نہیں رہنے دیتے، نہ دنیا میں اور نہ محشر میں۔

ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤك... (الآیہ)

مفہوم یہ ہے کہ جس کے سفارشی حضور ﷺ ہو جائیں اس کی توبہ رد نہ ہوگی۔

دوستو! صوفیاء کرام کوئی اچھا (نیک) بندہ دیکھ کر اس کے ہاتھوں میں اپنا ہاتھ دے دیتے۔ اور پھر وہ (مرشد) انہیں حضور ﷺ کے ہاتھوں تک پہنچا دیتا اور کہتا کہ اب حضور ﷺ آپ جانیں اور یہ غلام جانے۔

اور دوسری بات اس حدیث کے حوالے سے کہ مسجدیں تو ساری مسجدیں ہی ہوتی ہیں لیکن جس میں حضور ﷺ کے لعاب دہن والا پانی گر جائے تو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ مسجد تمہاری ہوگی لیکن مزہ مسجد نبوی کا آئے گا۔ اس سے نسبتِ رسول ﷺ کی قدر پہچانیں۔

حضور ﷺ کے صحابہ کرام کی عادت تھی کہ گھروں میں بھی جب نماز کی جگہ بناتے تو حضور ﷺ سے عرض کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ ہمارے گھر آکر ہمارے گھر کی مسجد کو اپنی نسبت کی دولت عطا فرمادیں۔

حضور معصوم تھے اور احادیث میں آتا ہے کہ آپ دن میں 70 مرتبہ توبہ کرتے۔ کشف الغمہ میں علامہ شعرانی فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ بذاتِ خود تو معصوم عن الخطاء ہیں۔ آپ کی توبہ سے کیا مراد ہے؟ فرمایا کہ دراصل آپ اپنی امت کے گناہوں کے لئے استغفار پڑھتے تھے کہ یااللہ میری امت کو معاف فرمادے۔ گویا یہ بھی حضور ﷺ کا اپنی امت پر کرم ہے اور شفقت ہے۔ ایک مرتبہ خاتون جنت سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس آئیں۔ حضور ﷺ نے اپنی مبارک چادر سے آنسو صاف کیئے اور فرمایا روتی کیوں ہو؟ عرض کیا کہ دنیا میں تو آپ کا چہرہ دیکھ لیتی ہوں لیکن محشر میں آپ کو کہاں ڈھونڈوں گی؟ تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تین جگہیں ہیں۔ پہلی جہاں ترازو میں اعمال تولے جائیں گے۔ میں وہاں اپنے سامنے اپنی امت کے اعمال کو تلتے دیکھوں گا اور ان کے نیکیوں والے پلڑے کو جھکا دوں گا۔ دوسری جگہ پل صراط ہے کہ وہاں ''رب سلم'' کی دعا سے اپنے امتیوں کی مدد کروں گا اور تیسری جگہ حوضِ کوثر ہے کہ سخت گرمی میں ان کی پیاس جامِ کوثر سے دور کر رہا ہوں گا۔

تو صاحبو! معلوم ہوا کہ ہر مصیبت میں حضور ﷺ نے ہی کام آنا ہے۔ علامہ بدرالدین عینی فرماتے ہیں کہ انسان پر سب سے بڑی مصیبت موت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قبر میں اور موت کے وقت حضور تشریف فرما ہوں گے، کہ مصیبتوں میں حضور ﷺ اپنے امتیوں کو تنہا نہیں چھوڑتے۔

پیارو! اتنے ڈائریکٹ نہ بنو، اگر آدم ؑ محمد عربی ﷺ کے نام کا وسیلہ نہ دیتے تو ان کی توبہ قبول نہ ہوتی، اگر ابراہیم ؑ کی پیٹھ میں نورِ محمد ﷺ نہ ہوتا تو نارِ نمرود ٹھنڈی نہ ہوتی اور اگر نوح ؑ نام محمد ﷺ نہ لیتے تو سفینے کو منزل نہ ملتی۔ گویا یہ چہل پہل تو ساری محمد ﷺ کے نام کا صدقہ ہے۔ دل سے

شکر کرو کہ حضور ﷺ کی امت میں پیدا کیا گیا ہے۔ ذرا کرم دیکھو کہ کہیں شب برأت دے دی، کہیں لیلۃ القدر دے دی، کہیں 27 نمازوں کا ثواب دے دیا، کہیں 700 نمازوں کا ثواب، کہیں روزے، کہیں جمعے تاکہ میرا کوئی امتی بھی دوزخ میں نہ رہے۔ یہ کرم ہے۔

تیسرا اصول:

حضرت بابا فرید الدینؒ فرماتے ہیں کہ صوفیاء کی زندگی کا تیسرا اصول مکارمِ اخلاق ہے۔ اخلاق کو ٹھیک رکھنا۔

چوتھا اصول:

دین اسلام کی خدمت۔ تاکہ حضور ﷺ کی شریعت کو قوت مل جائے۔ شریعت مصطفےٰ ﷺ کے جھنڈے اونچے ہو جائیں۔

پانچواں اصول:

صوفیاء کی زندگی کا 5واں اصول مخلوق خدا کی خدمت ہے۔ صوفیاء کی کامیابی کی وجہ یہی ہے کہ انہوں نے مخلوق خدا کی خدمت کی۔ یاد رکھیں جو مخلوق خدا کی خدمت کرے اللہ اسے نہ دنیا میں بے عزت ہونے دے گا، نہ قبر میں نہ محشر میں۔ اللہ کی رحمت اس کی یاور بن جائے گی۔

دوستو! تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر صوفیاء اسلام کی زندگی کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ آج لوگ مسلمانوں کو دہشت گرد کہنے لگ گئے ہیں تو میں قسم اٹھا کر کہتا ہوں کہ جرمن، ناروے، ڈنمارک، بارہا ایسے ہوا کہ جب گیا تو یونیورسٹیوں کے لڑکوں نے پوچھا کہ داتا صاحبؒ کون ہیں؟ مولانا رومؒ، بابا فریدؒ، بہاؤالحق ذکریاؒ ملتانی کون ہیں؟ میں نے پوچھا کہ ان کے نام آپ کیسے جانتے ہیں؟ کہنے لگے کہ ہم نے اپنی کتابوں میں پڑھا ہے کہ امن والے مسلمان اللہ نے یہی بنائے تھے۔ جس گلی سے گزرے ہیں امن بانٹا ہے۔ کرم اور رحمت بانٹی ہے۔

دوستو! اخلاق، کریکٹر اور محبت ہی ہماری خوشگوار منزل ہے اسی سے ہم دنیا میں انقلاب پیدا کر سکتے ہیں۔

بابا فرید الدینؒ کے قول کی روشنی میں محبت، توبہ، اخلاق، دین کی پاسداری اور مخلوقِ خدا کی خدمت کے عنوانات پر شاہ جی کا خطاب علالت کے باوجود ایک گھنٹہ تک جاری رہا۔ جس کے دوران لوگ نعروں، آنسوؤں اور سسکیوں سے محبت بھری داد دیتے رہے۔ صلوٰۃ التسبیح، ذکر، درود و سلام، نفل اور دعا کے بعد رات بھی سمٹنے لگی اور سب لوگ بھی اس کی برکتوں سے اپنے دامن بھر کر گھروں کو لوٹنے لگے۔

دعا ہے کہ شاہ جی قبلہ کی بتائی ہوئی باتوں پر اللہ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ ہمارے معاشرے میں محبت عام ہو جائے، ہمارے اخلاق سنور جائیں، ہمیں دین رسول کی غیرت نصیب ہو جائے اور مخلوق خدا کی خدمت کا سچا جذبہ ہمارے اندر پیدا ہو جائے۔ آمین یارب العالمین بجاہ سید المرسلین۔

✿ ✿ ✿

جماعت اہلسنت صوبہ پنجاب

کی تقریب حلف برداری

ڈاکٹر منظور حسین اختر

فجر اسلام کی آبیاری سنت انبیاء ہے، اسی طرح تمام صوفیاء، علماء اور صلحاء امت بھی اپنی اپنی بساط کے مطابق دین اسلام کی خدمت میں مصروف عمل رہے۔ برصغیر پاک و ہند میں داتا گنج بخش علی ہجویری، خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، خواجہ بہاؤالحق ذکریا ملتانی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی، قاضی ثناء اللہ پانی پتی و دیگر علماء وصوفیاء نے دین کی خدمت کے انمٹ نقوش چھوڑے۔ دین اسلام کی خدمت کے اسی سلسلے کو منظم انداز دینے کے لئے غزالی دوراں علامہ سید احمد سعید شاہ صاحب کاظمی و دیگر بزرگوں کی کوششوں سے ''جماعت اہلسنت پاکستان'' معرض وجود میں آئی۔ اس طرح نہایت منظم و اجتماعی انداز سے دین اسلام کی تبلیغ و اشاعت کا کام ہونے لگا۔ دور حاضر میں جماعت اہلسنت پاکستان مظہر غزالی دوراں پیر سید مظہر سعید کاظمی اور مفکر اسلام پیر سید ریاض حسین شاہ کی قیادت میں اپنی منزل کی جانب رواں دواں ہے۔ عالم اسلام کا ہر پیر و جواں، مرد و عورت اس پلیٹ فارم سے رہنمائی حاصل کر کے دین اسلام کی خدمت میں مصروف عمل ہے۔ سنی بیکریٹ کا قیام، پوری دنیا میں جماعت اہلسنت کی شاخیں اور اس کا تیزی سے پھیلتا ہوا نیٹ ورک اس قیادت کے فعال اور موثر ہونے کی بیّن دلیل ہے۔

حال ہی میں جماعت اہلسنت کے مرکزی انتخابات عمل میں آئے۔ تمام اراکین نے متفقہ طور پر پروفیسر مظہر سعید کاظمی کو مرکزی امیر اور پیر سید ریاض حسین شاہ کو مرکزی ناظم اعلیٰ منتخب کیا اور اس طرح یہ قیادت چوتھی مرتبہ اپنی احسن کارکردگی کی وجہ سے بلا مقابلہ منتخب ہوئی۔ اگرچہ پیر سید ریاض حسین شاہ نے اپنی مصروفیات اور علالت کی وجہ سے معذرت چاہی لیکن اراکین کے پرزور اصرار پر انہیں دوبارہ اس عہدہ کے لئے راضی ہونا پڑا۔

مرکزی انتخابات کے بعد جماعت اہلسنت کی صوبائی قیادت اور ڈویژنل عمل میں لائی گئیں اور اس طرح 20 اکتوبر 2007 کو لاہور پریس کلب میں صوبہ پنجاب اور پنجاب کی مختلف ڈویژنز کی تقریب حلف برداری ہوئی۔ یہ تقریب اس لحاظ سے منفرد تھی کہ اس میں پورے پنجاب کے نمائندہ علماء و مشائخ تشریف فرما تھے۔ جن میں سے مفتی محمد صدیق ہزاروی، پیر سید فدا حسین شاہ حافظ آبادی، مناظر اسلام علامہ عبدالنواب صدیقی، پیر مظہر فرید، پیر ظہور احمد چشتی، پیر سید محمد اقبال شاہ، مفتی ضیاء الحسنین صدیقی، جناب عثمان غنی، پیر ندیم سلطان، علامہ محمد رفیق شاہ جمالی، مہر عارف ندیم، پیرزادہ خورشید احمد شمس القادری، صاحبزادہ احمد کمال شاہ، مفتی محمد شریف سعیدی، علامہ نثار الحق علوی، پروفیسر عبدالعزیز نیازی، قاری فیروز صدیقی، جناب امجد ارباب عباسی، جناب محمد نواز کھرل، قاری فیض بخش رضوی، علامہ محمد صادق سیرانی، محترم محمد عبدالستار، مولانا حنیف چشتی، مولانا محمد یعقوب رضوی، علامہ باغ علی رضوی، محمد فاروق سلطان، علامہ غلام سرور ساقی، پیر سید انوار الحسن کا شف گیلانی، مولانا سید سرور حسین موسوی، مولانا سلیم ہمدمی، مولانا رب نواز قادری، مولانا غلام فرید فریدی، علامہ رضوان یوسف محمد بہاؤالدین وغیرہ شامل ہیں۔

صوبہ پنجاب کے نومنتخب شدہ صدر علامہ قاری خالد محمود اور صوبائی ناظم اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی اس تقریب کے میزبان تھے، جو انتہائی ذمہ داری سے اس پُر وقار تقریب کے نظم و نسق میں مصروف تھے۔ تقریب کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا اور افتتاحی کلمات قاری نذیر احمد قادری نے ادا کیئے۔ اس کے بعد صوبائی ناظم اعلیٰ مفتی محمد اقبال چشتی صاحب نے مائیک سنبھالا اور نعت شریف کے بعد جماعت اہلسنت کے مرکزی ناظم تبلیغ و تربیت، مشہور اسلامی سکالر مفتی محمد صدیق ہزاروی کو دعوت خطاب دی۔ مفتی صاحب نے اپنے بلند عزم خطاب میں پنجاب کی قیادت کو مبارکباد دی اور نیک خواہشات کا اظہار کیا۔ اپنی ذمہ داری کے متعلق بات کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ انشاء اللہ جماعت اہلسنت تعلیم و تربیت کے حوالے سے ایک نئی مثال قائم کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ تمام صوبوں، ڈویژنز اور ضلع جات کے اندر ناظمین تعلیم و تربیت مقرر کیے جائیں، جن کا ہم سے رابطہ ہو اور ہم ایک نیٹ ورک قائم کر کے قوم کی تربیت کا فرض ادا کریں۔ مفتی محمد صدیق ہزاروی کے

خطاب کے بعد مفتی اقبال چشتی صاحب نے اپنے صوبائی امیر علامہ قاری خالد محمود کو دعوتِ خطاب دی چونکہ آپ میزبان تھے اس لئے نہایت مختصر خطاب کیا اور اس طرح سٹیج سیکرٹری صاحب نے مناظر اسلام علامہ عبدالتواب صدیقی اچھروی مرکزی نائب امیر جماعت اہلسنت کو خطاب کے لئے مائیک پر بلایا۔ حضرت مناظر اسلام نے کہا کہ ہم میں باصلاحیت افراد کی کمی نہیں مگر ہم توجہ نہیں کرتے۔ انہوں نے کہا کہ اغیار اسلحہ کے زور پر اپنی فکر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں جبکہ اہلسنت وجماعت دلیل کی قوت سے اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں۔ مناظر اسلام کے خطاب کے بعد صوبائی ناظم اطلاعات جناب امجد ارباب عباسی صاحب نے دو قراردادیں پیش کیں جن کی بال میں موجود ہر شخص نے ہاتھ اٹھا کر تائید کی۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا جبکہ اس میں فحاشی وعریانیت کا دور دورہ ہے۔ انہوں نے مطالبہ کیا کہ عملی اقدامات کر کے ملک کو فحاشی، عریانیت اور بدامنی سے پاک کیا جائے۔ دوسری قرارداد پیش کرتے ہوئے انہوں نے مطالبہ کیا کہ حضرت میاں میرؒ کے مزار سے متصل 60 کنال اراضی پر قرآن کمپلیکس کو پشاور کے ایک مولوی کے نام پر منسوب نہ کیا جائے بلکہ اس کمپلیکس کو حضرت میاں میرؒ کے نام سے ہی منسوب کیا جائے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مولوی حسن جان کے نام پر قرآن کمپلیکس کو منسوب کرنا بالکل غیر منطقی، حقیقت سے دور اور فرقہ واریت پھیلانے کے مترادف ہے۔ یہ کام کر کے حضرت میاں میرؒ سے محبت رکھنے والے لوگوں میں اشتعال دلایا جا رہا ہے اور ان کے جذبات سے کھیلا جا رہا ہے۔ اس لئے فی الفور قرآن کمپلیکس کا نام حضرت میاں میرؒ کے نام سے منسوب کیا جائے۔

قراردادوں کی منظوری کے بعد ناظم محفل مفتی اقبال چشتی صاحب نے اپنے مخصوص انداز سے مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین شاہ کو نومنتخب شدہ اراکین سے حلف لینے کیلئے درخواست کی اور اس طرح صوبہ پنجاب اور پنجاب کی ڈویژنز کے ہر منتخب شدہ رکن نے شاہ صاحب کے ساتھ حلف نامہ پڑھا اور دستخط کئے۔ اس کے بعد مرکزی ناظم اعلیٰ کا خطاب شروع ہوا۔ آپ نے اپنے پرمغز اور فکر انگیز خطاب میں فرمایا کہ جماعت اہلسنت کا فکری ہدف یہ ہے کہ دنیا سے کفر اور فسق وفجور کا خاتمہ ہو اور محبت رسول ﷺ کا پیغام عام ہو جائے۔ انہوں نے کہا کہ ہم انسان کی اصلاح، صراطِ مستقیم کا سراغ، انسانوں کی خدمت اور پاکستان کے استحکام کا نظریہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان دشمنی دراصل اسلام دشمنی ہے۔ آیئے سوچیں کہ جدید طاغوت کی کوششوں کو کیسے ناکام بنایا جا سکتا ہے۔ مرکزی ناظم اعلیٰ نے کہا کہ اسلام اور مسلمان مغربی حملوں کی زد میں ہیں لیکن ہمیں اپنے حوصلے بلند رکھنا ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ اسلام دشمن عناصر ہماری تعلیمی، تہذیبی، اور تمدنی زندگی میں چھیڑ چھاڑ کر رہے ہیں اس لئے ہمیں حوصلوں اور ٹیلنٹ کی جنگ جاری رکھنی چاہیئے۔ پیر سید ریاض حسین شاہ نے اپنے دعوتی خطاب میں مزید کہا کہ ہمیں صوفیاء والے راستے کو اپنانا ہے۔ افسوس کہ صوفی ازم کے حوالے سے غلط افکار کو رواج دیا جا رہا ہے۔ صوفی ازم کے غلط استعمال کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب نے نہایت خوبصورت مثال پیش کرتے ہوئے فرمایا کہ گوشت کے رکھوالے اگر بھیڑیئے بنا دیئے جائیں تو گوشت کی ضمانت نہیں دی جا سکتی۔ انہوں نے کہا کہ تصوف کے زاویئے کی حفاظت ہم خود کریں گے۔ حکومتی سطح پر فرقہ واریت کی سرپرستی کے متعلق بات کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ کراچی میں میلاد مصطفےٰ ﷺ کے جلسہ پر بم دھماکہ ہو اور علماء شہید ہوں تو کسی عالم دین کے نام پر ایک مسجد بھی وقف نہیں کی جاتی لیکن عجب اندازِ حکومت ہے کہ پشاور کا ایک مولوی مر جائے تو حضرت میاں میرؒ کی جائیداد اس کے نام کر دی جاتی ہے۔ یہی حکومتی فرقہ واریت ہے۔ آپ نے جماعت کے کارکنوں کو ہدایت کی کہ 9 مارچ کو راولپنڈی میں ہونے والی سنی کانفرنس کے لئے کام تیز کر دیں اور اس کانفرنس کو کامیاب بنائیں۔

آپ کے مرکزی خطاب کے بعد صلوٰۃ وسلام اور دعا پر یہ حسین، پروقار اور انقلاب آفرین تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ اللہ جماعت اہلسنت کو دن دگنی اور رات چوگنی ترقی عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

سید ریاض حسین شاہ

صحیح یاد نہیں "الولی" نامی گاؤں کے قریب کسی دوست کے ہاں آپ مہمان تھے۔ رات کا ایک خاصہ حصہ گزر چکا تھا۔ محفل میں کچھ غیر متلد بھی موجود تھے۔ کسی درویش نے اقبال کا یہ شعر ترنم اور درد سے پڑھا۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

آپ پر وجد طاری ہو گیا۔ گریاں و مستاں آپ سنتے چلے جا رہے تھے اور پڑھنے والا بھی لذت اور سرور میں ڈوب کر اس کا تکرار کیے جا رہا تھا کسی نے کہہ دیا آؤ ذکر کرتے ہیں آپ فرمانے لگے اس کا نام بھی ذکر ہے، اس کی باتیں بھی ذکر ہیں، اس کی یاد بھی ذکر ہے، اس کا حوالہ بھی ذکر ہے پھر آپ نے اشارہ فرمایا اور پڑھنے والے نے پھر سے پڑھنا شروع کر دیا۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی
کشتی و دریا و طوفانم توئی

طبیعت بدلی تو آپ فرمانے لگے لوگ کس قدر بے وقوف ہیں اللہ جل مجدہ کے نام سے دور ہیں اور دنیا ہی دنیا ان کا اوڑھنا بچھونا ہے۔ کسی درویش نے کیا خوب کہا کہ بادشاہوں کو اگر پتہ چل جائے کہ نام خدا میں کیا لذتیں اور برکتیں ہیں تو وہ تاج شاہی پھینک کر درویشوں کے قافلہ جان مست میں شامل ہو جائیں۔

محفل ذکر شروع ہوئی۔ کچھ دیر آپ نے گردن جھکائے رکھی۔ پھر آنکھوں کی پتلیاں آسمان کی طرف پھیریں پھر جھٹ سے آپ شرکائے محفل کے دلوں کی جانب دیکھنے لگ گئے۔ عجب سماں بندھا لوگ روئے جا رہے تھے بظاہر رونے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہو رہی تھی لیکن آنکھوں کی جھیلیں آب ندامت سے لبالب بھر رہی تھیں۔ اچانک آپ نے ہاتھ دعا کے لیے بلند کر دیے، بجھی شمع جلی تو ہر نظر آپ کے چہرے کا طواف کر رہی تھی جیسے آپ ارشاد فرما رہے ہوں۔

با پرستاران شب دارم ستیز
باز روغن در چراغ من بریز

ایک شخص نے کشف وغیرہ کی کچھ باتیں چھیڑنا چاہیں لیکن آپ نے فرمایا میرے نزدیک ان چیزوں کی کوئی قیمت نہیں، انسانوں کا اصل سرمایہ رسالتماب ﷺ کی محبت اور اطاعت ہے، ہمارا ملک، ہماری منزل اور ہمارے اصول تربیت سب "اطیعوا الرسول" کے گرداگرد گھومتے ہیں۔ ایک شخص نے عرض کی قبلہ! فلاں شخص آپ سے تعویذ لینے کے لئے آیا ہے اس پر آپ نے محفل میں بیٹھے ایک "سید زادے" کی طرف اشارہ کر دیا کہ "یہ کام ان کا ہے" میں امی شخص ہوں مجھے سوائے اللہ عز سبحانہ کے ذکر کے اور کچھ نہیں آتا۔

ہر لحظہ نیا طور ، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلہ شوق نہ ہو طے

صبح ہوئی اور آپ "ہری پور" کی طرف روانہ ہوئے گاڑی نہ ملنے کی وجہ سے پیدل ہی چلنا پڑا۔ راستہ میں تربیلہ جھیل پر نظر پڑی اور ان ویران بستیوں کا ذکر آیا جو زیر آب دب گئیں کچھ دوستوں نے اصحاب مزارات کا ذکر کیا تو آپ گھائل ہو گئے اور فرمانے لگے "زندگی اور موت بھی کیا چیز ہے" اور انسان کس قدر وحشت ناک راہوں کا مسافر ہے۔ چلتے چلتے آپ رک گئے اور اپنے ایک ساتھی کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا موت ایک بھیانک سایہ ہے لیکن مومن کے قلب بیدار کا یہ کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی اس لیے اللہ کے ذکر سے اپنے دلوں کو زندہ کرو۔

فرشتہ موت کا چھوتا ہے گو بدن تیرا
تیرے وجود کے مرکز سے دور رہتا ہے

آپ اپنے ساتھیوں کے ساتھ راہ وفا میں چلتے جا رہے تھے اور آپ کے دل کی دھڑکنوں میں اسم باری کا نور اور روح کی گہرائیوں میں حب رسول ﷺ کی روشنیاں جگمگا رہی تھیں اور آپ گویا بقول عارف اپنے دوستوں کو حوصلہ دیتے بڑھ رہے تھے۔

وہم و شبہات کے آثار مٹاتے چلیے
ذوق و وجدان کے گلزار کھلاتے چلیے
توڑ کر سخت پہاڑوں کو ، خلیجیں بھر کر
آنے والوں کے لئے راہ بناتے چلیے
فاصلے قرب میں ڈھلنے کو ہوا کرتے ہیں
اشہب شوق کو مہمیز لگاتے چلیے

✿ ✿ ✿